سوال

(64)وتروں کے بعد دو رکعات پڑھنا

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیاوتروں کے بعد بیٹھ کردورکعات پڑھنا بدعت ہے ؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

اخبارالاعتصام کے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۷ء کے پرچے میں صفحہ ۹ پر ''فتاویٰ '' کے تحت عنوان ''کیاوتروں کے بعد دو نفل پڑھناثابت ہیں ؟ ''نظر سے گذرااس عنوان کے تحت مولانا محترم عبدالقادرصاحب حصاروی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وتروں کے بعد دورکعت پڑناثابت نہیں ہیں اوران کو مشروع سمجھ کرپڑھنابدعت کے حدود میں داخل ہوتا ہے ۔

معلوم ہوتاہے کہ مولانا محترم نے اس مضمون کے تحریر کرنے میں عجلت سے کام لیاہے اورحد تو یہ ہے کہ مولانانے ان اہلحدیثوں پربھی ''نام نہاداہلحدیث ''کالیبل لگادیاہے جووتروں کے بعد دوگانہ بیٹھ کرپڑھتے ہیں ۔ یہ کتنی زبردستی ہے کہ جوبھی ان کے اختیارکردہ مسلک کاپیروکارنہ ہواس کونام نہاداہلحدیث قراردیاجائے ۔ کیاصحیح معنی مُں وہی اہلحدیث ہے جومولاناحصاروی صاحب کااختیارکردہ مسلک اختیارکرے اورجواختلاف کرے وہ نام نہاداہلحدیث ہے ؟اگرکوئی دلیل کی وجہ سے آپ سے اختلاف کرتاہے تویقیناًیہ حق آپ کونہیں پہنچتاکہ اس کوآپ موردطعن بنائیں یااس کونام نہاداہلحدیث سمجھیں ،اوریہ کہنابھی صحیح نہیں کہ وتروں کے بعد دوگانہ بیٹھ کرپڑھنے کاکوئی ثبوت نہیں ہے ۔

غالبامولانانے صحاح ستہ کوبھی اچھی طرح نہیں دیکھاورنہ انہیں سنن ابن ماجہ میں ہی حدیث نظر آجاتی ۔ مولانافرماتے ہیں کہ جناب حجرت رسول اللہ ﷺ نے جودورکعتیں وتروں کے بعد بیٹھ کرپڑھی ہیں وہ تہجد کے وقت کے ساتھ خاص ہیں اوراس کے علاوہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ خصوصیت کاجواب توآگے آئے گالیکن دلیل میں ہم چنداحادیث نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگاکہ وتروں کے بعد (مطلقانہ کہ تہجد کے وقت)دورکعتیں نفل بیٹھ کرپڑھناآنحضرت ﷺ سے ثابت ہے ۔

(۱)۔۔۔سنن ابن ماجہ میں ہے :

((حدثنا محمد بن بشار ثنا حماد بن مسعدة ثنا ميمون بن موسى المرئي عن الحسن عن أمه عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر ركعتين خفيفتين وهو جالس_)) سنن ابن ماجه : كتاب إقامة الصلوة والسنة فيها' باب ما جاء في الركعتين بعد الوتر جالسا' رقم الحديث : ۱۱۹۰۔

''ام سلمہ رضی اللہ عنہافرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر کے بعد پہلی دورکعتیں بیٹھ کرپڑھتے ۔''

اس حدیث کی سند کے سب رواۃ ثقہ ہیں ۔ میمون بن موسیٰ المرئی بھی صدوق ہے لیکن وہ مدلس ہیں ، اس لیے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہاں تدلیس سے کام لیا ہو لیکن اولا تو مولانا حصاروی صاحب اپنے مضامین میں بہت سی احادیث ایسی تحریر فرماتے ہیں جن کی اسانید میں مدلسین موجود ہوتے ہیں اور سماع کی تصریح بھی نہیں کرتے ۔ لیکن مولانا محترم صاحب اس حدیث کی یہ علت پیش کر کے اس کا کوئی جواب نہیں دیتے اس لیے کم از کم انہیں تو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے ۔

آگے ایسی حدیثیں آرہی ہیں جن سے اس روایت کی تائید ہو جائے گی ۔ اور اس حدیث کی سند میں جو حسن اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں ان کا نام خیرۃ ہے اور وہ بھی مقبولۃ ہے اور ابن حبان کو اپنی ثقات میں لائے ہیں کذافی التقریب والتہذیب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اس حدیث کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان دوگانہ سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو تہجد کے

وقت وتروں کے بعد پڑھا کرتے تھے ۔ کیونکہ اس میں قطعا مطلق بعد الوتر کا بیان ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں رات کے درمیانی حصہ میں اور آخر رات میں وتر پڑھا کرتے تھے یعنی آپ سے تینوں وقتوں میں رات کے اول ، اوسط اور آخر میں وتر پڑھنا ثابت ہے ۔

اور ''کان یصلی'' کا یہی متقاضی ہے ہمیشہ ورنہ کم از کم اکثر تو ضرور ایسا کرتے تھے ۔ مقصد یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی وتر پڑھتے تھے (خواہ اول رات میں یا اس کے آخری حصہ میں تو دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے ۔)

علاوہ ازیں خود مولانا صاحب نے ان دو رکعت کے متعلق لکھا ہے کہ بیٹھ کر ان نفلوں کو شروع کرتے جب قراۃ ختم ہو جاتی تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے اور سجدہ کرتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ دو رکعتیں طویل ہوتی تھیں اور اس کی وضاحت مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے لیکن اس حدیث میں ہے کہ وہ دو رکعتیں ہلکی (خفیفتین) ہوتی تھیں (اسی کی وضاحت اگلی حدیثوں میں آرہی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ دو رکعتیں نہیں تھیں جو تہجد کے وقت اس مخصوص طریقہ سے پڑھتے تھے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر تو یہ حدیث مسلم شریف والی حدیث کے متعارض ہو جائے گی کیونکہ مسلم شریف والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتیں لمبی ہوتی تھیں اور اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ وہ ہلکی ہوا کرتی تھیں ۔ اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد ہمیشہ دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اب کبھی تو وہ دو رکعتیں ہلکی ہوتی تھیں اور کبھی لمبی اس مخصوص طریقہ پر جو مسلم شریف کی حدیث میں وارد ہے اس میں تعارض کی کونسی بات ہے ؟

اور دونوں جگہوں پر کان کا لفظ وارد ہے اس سے بھی کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ دونوں طریقے آپ سے دوام کے ساتھ ثابت ہیں اور دو فعلوں کا اکثری (یعنی کثرت کے ساتھ) ہونا کوئی اچھنبے کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بعض مرتبہ اتنے روزے رکھا کرتے تھے کہ خیال ہوتا کہ اب افطار ہی نہیں کریں گے اور بعض مرتبہ اتنے دن افطار کرتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے ۔

اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ روزے بھی بہت دن تک رکھا کرتے تھے اور پھر افطار بھی کافی عرصہ تک ہوا کرتے تھے یعنی دونوں فعل مبارک اکثری ہو گئے ۔ اسی طرح کبھی آپ کافی عرصہ تک ہلکی رکعتیں ہی پڑھتے رہتے جس میں سورہ اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَهَا [1] اور قُل یٰٓاَیُّهَا الکٰفِرُونَ پڑھا کرتے اور کبھی بہت دن تک وہ دو رکعتیں لمبی بھی کرتے رہتے تھے ۔ اس میں کوئی تعارض و تخالف نہیں ہے ۔ اور مولانا صاحب نے یہ بھی عجیب بات تحریر فرمائی ہے کہ ''جیسے یہ ترکیب آنحضور ﷺ سے مخصوص ہے ''کیونکہ مسلم وغیرہ میں یہ وضاحت ہے کہ اس طرح آپ اس زمانے میں کرتے تھے جب آپ بڑی عمر کے ہو گئے ۔

((فلما اسن وغیرہا))

کے الفاظ آتے ہیں ۔ لہذا یہ ترکیب آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ''من یدعی فعلیہ البیان بالبرہان '' جو بڑی عمر والا ہو جائے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے چاہتا ہے کہ میں رات کے نوافل میں قرات بھی لمبی کروں اور نوافل کو بھی ترک نہ کروں وہ اسی ترکیب پر عمل کر سکتا ہے ۔

یعنی شروع تو قرات بیٹھ کر کرے لیکن جب قراۃ ختم ہونے کو آئے تو اٹھ کر رکوع کرے آخر اس میں آپ کے اتباع سے کونسی چیز مانع ہے؟ اور اس ترکیب کا آپ کے ساتھ مخصوص ہونا کس دلیل کی بناء پر ہے؟ خیر یہ تو ضمنی چیز تھی اصل مقصد یہ تھا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر رکعتیں خفیفتین پڑھتے تھے، لہذا وتر کے بعد دوگانہ بیٹھ کر پڑھنا مسنون ہوا اور جو مسنون و مشروع سمجھ کر پڑھتا ہے وہ نام نہاد اہلحدیث یا بدعتی وغیرہ نہیں ہے بلکہ متبع سنت ہے رہا خصوصیت کا تو اس کے متعلق بعد میں عرض کروں گا۔

(۲) : ۔ ۔ ۔ ۔ مسند احمد میں یہ حدیث ہے :

((حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبدالصمد حدثنی ثنا عبدالعزیز یعنی ابن صہیب عن ابی غالب عن ابی امامۃ اَن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلیهما بعد الوتر وہو جالس یقرا فیهما اِذَا زُلزِلَت الاَرضُ زِلزَالَهَا و قُل یٰاَیُّهَا الکٰفِرُونَ))

’’ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے جن میں سورۃ زلزال اور کافرون کی تلاوت کرتے۔‘‘

اس حدیث کی سند بالکل بے غبار ہے اس میں پہلے حضرت عبداللہ ہے وہ حضرت امام احمد کا فرزند ہے وہ ثقہ ہے پھر ان کا والد حضرت امام احمد ہے پھر عبدالصمد جو ہے وہ عبدالصمد بن الوارث ہے جیسا کہ رجال کی کتب سے پتہ چل جاتا ہے اور جیسا کہ بیہقی کی روایت سے جو انہوں نے سنن میں نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے۔ وہ روایت ہے۔

((قال البیہقی فی سننه الکبری اَخبرنا ابو عبداللہ الحافظ و ابو بکر احمد بن الحسن القاضی ابو صادق محمد بن احمد الصیدلانی قالوا ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا ابو قلابة ثنا عبدالصمد ابن عبدالوارث ثنا ابی عند عبدالعزیز بن صہیب عن ابی غالب عن ابی امامۃ اَن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی رکعتین بعد الوتر وہو جالس یقرا فیهما اِذَا زُلزِلَت و قُل یٰاَیُّهَا الکٰفِرُونَ))

’’ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے جن میں سورۃ زلزال اور کافرون کی تلاوت کرتے۔‘‘

مقصد یہ کہ امام احمد والی سند میں جو عبدالصمد ہے وہ ابن عبدالوارث ہے اور وہ ثقہ ہے اسی طرح ان کے عبدالوارث بن سعید وہ بھی ثقہ ہے اس کے بعد پھر عبدالعزیز بن صہیب وہ بھی ثقہ ہیں، پھر ابو غالب ہیں یہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے صاحب ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے لیکن وہ کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کے متعلق صاحب التقریب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’صدوق یخطئ‘‘ یعنی وہ سچے ہیں اور خطا بھی کر جاتے ہیں۔

یخطئ کا لفظ راوی کی عدالت میں قادح نہیں ہے اور نہ اس کو احتجاج کے رتبے سے گرا دیتا ہے کیونکہ خطا اور وہم سے کوئی راوی معصوم نہیں ہے الا ماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ رجال کی کتب میں بہت سے ایسے رواۃ ملتے ہیں جن کے متعلق ان کی کتب میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ ’’صدوق یخطئ‘‘ یا ’’صدوق یہم‘‘ یا ’’صدوق لہ اوہام‘‘ حالانکہ وہ صحیحین کے رواہ میں سے ہوتے ہیں۔

مثلاً حسن بن ذکوان بخاری کے رجال میں سے ہیں لیکن تقریب میں لکھا ہے کہ ’’صدوق یخطئ‘‘ اسی طرح حرمی بن عمارہ بن ابی حفصہ جو بخاری اور مسلم کے رواۃ میں سے ہے ان کے متعلق حافظ ابن حجرؒ تقریب میں تحریر فرماتے ہیں

’’صدوق یہم‘‘ اسی طرح سعید بن یحیی بن سعید بن ابان الاموی یہ راوی بھی شیخین کے رواۃ میں سے ہیں اس کے متعلق حافظ صاحب تقریب میں فرماتے ہیں کہ ثقہ ’’ربما اخطا‘‘ بہرکیف اور بھی رواۃ ہیں جو اگرچہ شیخین کے رواۃ میں سے ہیں لیکن ان کے متعلق رجال کی کتب میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ یخطئ لہ اوہام اور ربما اخطا لیکن ان الفاظ سے وہ حجیت سے گر نہیں جاتے کیونکہ جہاں ان سے کچھ وہم ہوا ہے یا خطا ہوگئی ہے وہاں ائمہ حدیث اور حفاظ فن نے تنبیہ کر دی ہے لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جہاں پر بھی وہ راوی دیکھیں تو کہیں کہ یہاں بھی اس نے خطا کی ہوگی۔

مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث کے متعلق ائمہ حدیث میں سے کسی نے چونکہ یہ نہیں فرمایا کہ اس نے یہاں بھی خطا کی ہے۔ اس لیے اس کی روایت مقبول ہوگی۔ پھر آخر میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں۔ خلاصہ کلام کہ اس حدیث کی سند کے سب رواۃ ثقات ہیں اور ان میں کوئی راوی مدلس بھی نہیں ہے۔

لہذا یہ علت بھی نہیں ہے بلکہ یہ روایت دوسری حدیث سے جو آگے آرہی ہے تقویت پکڑ کر صحیح لغیرہ بن جائے گی :

((کما لا یخفی علی ماہر الاصول))

اور امام احمد کی مسند احادیث کے ان کتب میں سے ہے جن کی احادیث سے اصلا احتجاج کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ طبقہ ثانیہ میں سے ہیں "کما یشیر الیہ کلام المحدث الدہلوی فی حجۃ اللہ البالغہ" خلاصہ کلام کہ سند ایہ حدیث بالکل بے غبار ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور ان دو رکعتوں میں سورۃ اِذَا زُلۡزِلَتِا ور قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ پڑھا کرتے تھے اور یہ حدیث ابن ماجہ والی حدیث کی مؤید بھی ہے کیونکہ اس میں بھی رکعتین خفیفتین پڑھنے کا ذکر ہے ۔

اور اس حدیث میں بھی "کان یصلی" کے الفاظ ہیں جو دوام یا کثرت پر دال ہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس سے ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ یہ دو رکعتیں عشاء کے بعد وتر کے بعد آپ پڑھا کرتے تھے ، کیونکہ تہجد تو آپ اپنے گھر میں ہی پڑھا کرتے تھے "فتامل" ۔

علاوہ ازیں حدیث کے الفاظ میں "کان یصلی رکعتین بعد الوتر" اور یہ الفاظ عام ہیں لہذا ان کو بلا دلیل صرف تہجد کے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ، کیونکہ جب احادیث صحیحہ سے آنحضرت ﷺ کا رات کے تینوں وقتوں اول ، اوسط ، آخر میں وتر پڑھنا ثابت ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے تو ان دو رکعتوں کا آپ سے پڑھنے کا ثبوت مل گیا اور وہ بھی دواما لہذا یہ کہنا کہ ان دو رکعتوں کا وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھنا بے ثبوت ہے قطعا صحیح نہیں ۔

(۳) : ۔ ۔ ۔ ۔ امام بیہقی سنن کبری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے ہیں :

((حدثنا ابو الحسن محمد بن الحسین بن داود العلوی املاء ثنا ابو نصر محمد بن حمدویہ بن سہل المروزی ثنا عبد اللہ بن حماد الاملی ثنا یزید بن عبد ربہ ثنا بقیۃ بن الولید عن عتبۃ بن ابی حکیم عن قتادۃ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ اَن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین وہو جالس یقرا فی الرکعۃ الاولی بِاُم القرآن واِذَا زُلۡزِلَتِ وفی الثانیہ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ)) البیہقی کتاب الصلوۃ باب فی الرکعتین بعد الوتر جلد ۳ صفحہ ۳۳_

اس حدیث کی سند میں اور سب راوی ثقہ ہیں لیکن بقیہ سخت مدلس ہیں اور سماع کی تصریح نہیں کی اور عتبہ بن ابی حکیم کو صدوق ہے لیکن کثیر الخطاء ہے اور قتادہ بھی ثقہ ہے لیکن وہ بھی مدلس ہے لیکن ان وجوہ سے سند میں خفیف ضعف پیدا ہوتا ہے ، اس لیے اعتبار و استشہاد میں کوئی قباحت نہیں یعنی جب کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے صحیح یا حسن لذاتہ سند سے حدیث ثابت ہوگئی تو یہ حدیث جو کہ تھوڑی ضعیف ہے اس کی مؤید بن جائے گی اور اس کو شواہد کی حیثیت سے ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ۔

بہر کیف اس حدیث سے بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد ہمیشہ بیٹھ کر دوگانہ ادا فرماتے تھے پہلی رکعت میں

اِذَا زُلۡزِلَتِا ور دوسری میں قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ پڑھا کرتے تھے ، جب ایک فعل جناب حضرت رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہو گیا تو اس کے اتباع کی بدعت کہنا اور اس کے متبع کو نام نہاد اہلحدیث کہنا زبردستی اور سینہ زوری ہے یہ بھی صحیح نہیں کہ سلف میں سے کوئی وتر کے بعد دو رکعت نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ امام محمد بن نصر نے قیام اللیل میں لکھا ہے کہ :

((وکان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یوتر ثم یصلی علی اثر الوتر مکانہ_))

یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وتر کے بعد اسی جگہ پر نماز پڑھا کرتے تھے اسی طرح لکھا ہے کہ "وکان الحسن یامر بسجدتین بعد الوتر" یعنی حضرت حسن بصری وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا امر فرمایا کرتے تھے اور لکھتے ہیں :

((وقال کثیر بن مرۃ و خالد بن معدان لا تدعہما واَنت تستطیع یعنی الرکعتین بعد الوتر_))

کثیر بن مرہ اور خالد بن معدان دونوں تابعی ہیں نے فرمایا ہے کہ جب تک قدرت ہو وتر کے بعد دو رکعتوں کو نہ چھوڑا کرو ۔ پھر فرماتے ہیں :

((وقال عبداللہ بن مساحق کل وتر لیس بعدہ رکعتان فھو أبتر_))

(عبداللہ بن مساحق فرماتے ہیں کہ جس وتر کے بعد دو رکعتیں نہیں وہ دم کٹا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو رکعتیں کچھ الگ نہیں کہیں بلکہ وتر کے ساتھ ہی ہیں۔ اس لیے یہ دو رکعتیں وتر کو قیام اللیل کے آخر میں رکھنے کے منافی بھی نہیں ہیں، آگے پھر امام محمد بن نصر فرماتے ہیں:

((وقال عیاض بن عبداللہ رایت أبا سلمۃ بن عبدالرحمان أوتر ثم صلی رکعتین فی المسجد_))

(عیاض بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو دیکھا کہ وتر کے بعد مسجد میں ہی دو رکعت ادا کیں (یہ ابوسلمہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے قیام اللیل کی گیارہ رکعات کے راوی ہیں۔)

بہر کیف خیر القرون میں اور خود صحابہ میں سے بھی وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا اس کو بدعت کے حدود میں داخل کرنا خصوصاً جب کہ ان کا یہ فعل حضرت رسول ﷺ کے موافق ہو۔

حضرت مولانا حصاروی صاحب کی ہی جرات ہے باقی مولانا کا یہ فرمانا کہ'' یہ فعل مبارک آنحضرت ﷺ سے خاص ہے کیونکہ اگر آپ امت کو ایک امر فرمائیں اور خود اس سے مخالف کوئی عمل کریں تو یہ آپ کی ذات مبارک سے مخصوص ہوگا تو یہ کلیتہً صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

مثلاً حدیث میں کھڑا ہو کر پینے سے منع آیا ہے اور ایسی کوئی حدیث نظر سے نہیں گذری جس میں یہ ہو کہ آپ نے کھڑا ہو کر امت کو اجازت دی ہے حالانکہ صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر بھی پیا کرتے تھے اسی وجہ سے محققین نے یہی کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے گو بیٹھ کر پینا بہتر ہے ایسی اور بھی امثلہ دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ جہاں بھی آپ کا فعل اس امر کے خلاف ہو جو آپ نے امت کو دیا ہے تو وہ آپ کی ذات مبارک سے مخصوص ہوگا صحیح نہیں ہے۔ پھر مولانا نے امام شوکانی کا تو قول نقل کر دیا لیکن اس سلسلہ میں اور ائمہ حدیث کے اقوال نقل نہیں کئے۔ اور یہ انصاف سے بعید ہے دیکھئے،

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

((قلت الصواب أن ہاتین الرکعتین فصلھما ﷺ بعد الوتر جالسا بیان جواز الصلوۃ بعد الوتر وبیان جواز التنفل جالسا ولم یواظب علی ذالک_))

''یعنی صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وتر کے بعد بھی نفل پڑھنا جائز ہے اور بیٹھ پڑھنا بھی جائز ہے اور آپ نے اس پر ہمیشگی نہیں کی۔''

بہر حال اگر اما شوکانی نے تخصیص کا کہا ہے تو امام نووی نے اس کے جواز التنفل بعد الوتر کا اثبات کیا ہے اب انصاف سے بتائیں کہ کس کی بات درست ہے؟ اور جو امام نووی نے کہا ہے کہ آپ نے اس پر ''یعنی دوگانہ وتر کے بعد ہی ہمیشگی نہیں کی وہ غالباً اس لیے کہ ان کے سامنے حضرت امام احمد کے مسند اور امام بیہقی کی سنن کبری والی احادیث ذہن میں نہیں تھیں۔

ان کے سامنے صرف وہی حدیث یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس کے شرح میں یہ عبارت لکھی ہے، اس لیے یہ فرمایا کہ اس پر ہمیشگی نہیں کی اور یہ امام نووی نے اس لیے فرمایا کہ ان کو یہ فعل بظاہر اس حدیث کے متعارض نظر آیا جس میں آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وتر کو صلوۃ اللیل کے آخر میں رکھا کرو، حالانکہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا تھا کہ یہ چیز وارد نہیں ہوتی کیونکہ یہ دو رکعت کوئی مستقل اور الگ نماز نہیں کہ جس کی وجہ سے یہ اس حکم کے متعارض ہو جائے، ورنہ اگر اس کو وتر کے بعد اس کے ساتھ کی نماز قرار دیا

جائے جس طرح کہ عبداللہ بن مساحق نے کہا ہے۔ (ان کا قول گزشتہ صفحات میں آچکا ہے) یعنی یہ دو رکعتیں وتروں کے لیے ایک قسم کی تتمیم کا کام دیتی ہیں تو پھر یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اور جو حدیثیں ہم نے اوپر لکھی ہیں ان سے آنحضرت ﷺ کی ان دو رکعتوں پر مواظبت معلوم ہوتی ہے۔

لہذا یہ دوگانہ وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھنا مشروع و مسنون ہوا نہ کہ بدعت و نام نہاد اہلحدیثوں کا فعل باقی رہا مولانا کا یہ فرمانا کہ بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اس کے متعلق میری یہ گزارش ہے کہ اہلحدیث کہ کرائے کے اجیر نہیں ہیں کہ جہاں مزدوری زیادہ ملے ادھر چلے گئے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اہلحدیث کا مطمع نظر، منتہی بصر اور ان کی نسب آرزوؤں کی تکمیل اسی میں ہے کہ ان کو سرور کونین سید البشر جناب حضرت رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا اتباع حاصل ہو جائے اگر ان کے نامہ اعمال میں یہ ثبت ہو جائے کہ انہوں نے حبیب احمد مصطفی ﷺ کی سنت کی پیروی کی تو بس ان کے لیے یہی کافی ہے باقی رہا آدھا ثواب تو یہ تو آدھا ہے لیکن اگر ان کو کچھ بھی نہ ملے تب بھی ان کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے اس ذات اقدس کی سنت کا اتباع کیا جس کے متعلق اللہ تبارک و تعالی فرماتا ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران: ۳۱)

اہلحدیث کو تو سنت الرسول ﷺ سے شغف ہے۔ آخر میں میں حضرت مولانا محترم حصاروی صاحب کی خدمت میں باادب یہ گزارش کرتا ہوں کہ ہر ایک کے لیے تحقیق کا میدان وسیع کھلا ہوا ہے۔ اس لیے جو تحقیق بھی آں محترم نظر آئے بلاخوف لومۃ لائم پیش فرما دیا کریں لیکن اسی کو حرف آخر سمجھ کر جو اس کے مخالف ہو اس کو بدعتی بنا دیں یا اس کو نام نہاد اہلحدیث قرار دیں، یہ چیز اچھی نہیں ہے کسی کو بدعت کی طرف منسوب کرنے سے پہلے اس بات پر غور و فکر فرما لیا کریں تو یہ نہایت بہتر رہے گا کیونکہ اگر کسی کو اہلحدیث سمجھنے میں غلطی کی تو اس کا نقصان اتنا نہیں ہوگا جتنا کسی کو بدعتی سمجھنے میں غلطی کرنے سے ہوگا اس لیے جس کو ہم غلطی سے اہلحدیث سمجھ رہے ہیں اگر وہ واقعتا اہلحدیث نہیں ہے تو اس میں ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑتا لیکن اگر کسی کو ہم غلطی سے بدعتی سمجھ لیں اور پھر اس پر عجلت سے بدعتی ہونے کا فتوی کا لیبل لگا دیں تو خود ہی سوچ لیں اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ ہر معاملہ میں احتیاط بہتر ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وانا العبد الاواہ ابو الروح محب اللہ شاہ عفی اللہ عنہ

کافی عرصہ پہلے وتر کے بعد دوگانہ نفل بیٹھ کر پڑھنے کے متعلق مولانا عبدالقادر صاحب حصاروی کا فتوی شائع ہوا تھا جس میں مولانا موصوف نے وتر کے بعد دوگانہ کرادا کرنے کو بدعت قرار دیا تھا بعد میں بندہ حقیر پر تقصیر راقم الحروف نے اس پر تعاقب کیا جو کہ بفضلہ تعالی انصاف پسند حلقوں میں نہایت ہی پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا۔ بعد میں تنظیم اہلحدیث میں مولانا حصاروی صاحب نے اس تعاقب پر ''سندھی تعاقب پر ایک نظر'' کے عنوان تنقید فرمائی۔ ہمہ دان کی دعوی تو نہ بندہ نے پہلے کیا ہے اور نہ اب ہے اور کسی کی غلطی پر اس کو متنبہ کرنا یا اس کی لغزش کو ظاہر کرنا بھی معیوب نہیں بلکہ عین مرغوب و مطلوب امر ہے لیکن جب تعاقب محض برائے تعاقب ہو تو اس سے بجائے مفید نتیجہ نکلنے کے کدورتیں بڑھتی ہیں اور وقت کا ضیاع اس کے علاوہ ہوتا ہے۔

اس تعاقب پر تعاقب میں بھی حضرت مولانا حصاروی صاحب نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اول بہت سی غیر متعلق باتیں درمیان میں لے آئے ہیں جن سے قطعا بحث نہیں تھی اور نہ ہی اہلحدیثوں میں مختلف فیہا ہی تھیں ان کو تحریر میں لانے کی قطعا ضرورت نہیں تھی پھر مولانا موصوف نے اصل مسئلہ پر جو تنقید کی ہے اس کے متعلق غیر متعصب اور ہر حال میں عدل سے متمسک متوازن اہل علم یہی رائے قائم کرے گا کہ یہ میرے تعاقب پر تعاقب ہے ہی نہیں اور واللہ میں اس کے اوپر قلم ہر گز ہر گز نہ اٹھاتا لیکن چند احباب کی غلط فہمیوں کے دور کرنے کے لیے مجھے مجبورا اس پر کچھ لکھنا پڑ رہا ہے کیونکہ جو حدیث کا علم کچھ زیادہ نہیں رکھتے وہ شاید مولانا صاحب کے مضمون ہذا سے اور میری دانستہ خاموشی سے یہی اندازہ فرمائیں گے کہ غالبا میں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور مولانا صاحب کی تنقید واقعی صحیح اور وقیع ہے یہی وجہ ہے کہ میں اس پر خامہ فرسائی کرنے کے لیے مجبور ہوا ہوں۔

ویسے اس مضمون کی تیسری قسط مولانا صاحب کی تنقید سے بھی پہلے میں دفتر الاعتصام کو ارسال کر چکا تھا لیکن حضرت علامہ احسان الہی صاحب ایڈیٹر الاعتصام کے مشورہ سے اس قسط کو اشاعت سے باز رکھا لیکن جب مولانا کی یہ تنقید دیکھی تو مجبورا اس کی اشاعت کے لیے ایڈیٹر صاحب موصوف کو لکھا اور انہوں نے وعدہ فرمایا کہ جونہی مولانا صاحب کا مضمون پورا ہوگا تو اس کو شائع کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالی بہتر جانتا ہے کہ میں مولانا حصاروی کا بہت معتقد تھا اور ان کے علمی نکات اور معقول ابحاث کی دل سے قدر کرتا تھا لیکن ان کے اس

مضمون کی تیسری قسط کے چند سطور نے میری سب خوش فہمیوں کو ریزہ ریزہ کردیا میں نے یہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ مولانا محترم صاحب بلاوجہ ذاتیات پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں اور دوسروں پر غلط الزامات جوڑنے کے بھی عادی ہیں۔ ذیل میں ان کے مضمون کی تیسری قسط سے ''جو تنظیم اہلحدیث ١٦ محرم کے صفحہ ٦ پر شائع ہوئی ہے ''ایک اقتباس نقل کرتا ہوں وہ ملاحظہ فرما کر مولانا کے انداز طبع کی داد دیں۔ مضمون کے تیسرے کالم میں یہ عبارت ہے :

''پیر جھنڈا موجودہ پیروں کی طرح آل رسل کہلا کر یہ فخر کرتے ہیں کہ ہم کو ثواب پورا ملتا ہے۔ ''

ایں خیال است ومحال است وجنوں

اس سے آگے بھی بہت کچھ گل افشانی فرمائی ہے لیکن اس سے تعرض کی ضرورت محسوس نہیں کرنا، کیونکہ ان کا ہر لفظ اور تحریر کی ہر سطر اللہ تعالی کی کتاب میں محفوظ ہے مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ اور وہی رب العالمین اور مالک یوالدین ان سے حساب لے گا۔

سر دست میں باادب ان سے یہ پوچھنے کی جسارت کرنے سے قطعاحق بجانب ہوں کہ جناب نے جو یہ اتہام اخبار میں درج فرمایا ہے کیا یہ اتہام جناب نے مجھ سے میرے بھائی صاحب سے یا پھر ہمارے دوسرے اقرباء جھنڈے والوں سے سنا ہے۔ اور اگر نہیں اور یقینا نہیں تو پھر ان کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ ہم پر ایسے بے جا الزامات لگائیں ؟

کیا ان کے ذہن مبارک سے یہ آیت کریمہ اوجھل ہوگئی ہے کہ :

وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (النساء : ١١٢)

''جو شخص کوئی خطا یا گناہ کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلم کھلا گناہ کیا۔ ''

اور اسی طرح :

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (الاحزاب : ٥٨)

''جو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایذاء دیں، بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا، وہ بڑے ہی بہتان باز اور کھلم کھلا گناہ گار ہیں۔ ''

انہوں نے یقینا ہم سے تو یہ بیجا فخر اور ڈینگ والی بات سنی نہیں بلکہ مولانا سے تو میں بالمشافہ ملاتک نہیں لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی بدخواہ اور مفتری سے ایسی باتیں سنی ہوں لیکن اس صورت میں بھی کیا ان کے لیے کتاب وسنت میں رہنمائی نہیں ملتی ؟

اللہ تعالی فرماتے ہے کہ :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات : ٦)

''اے ایمان والو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذاء پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاو۔ ''

اور پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ :

((كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع))

ان کے نظروں سے نہیں گذرا؟ اور سنی سنائی بات پر اعتماد کرکے دوسروں کو مہتم کرنا یہ اہلحدیث جماعت میں سے صرف مولانا حصاروی صاحب ''ہمارے مبلغ علم کی حدتک'' کے حصہ میں آیا ہے۔

جی مولانا! ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ ہم آل رسول ہیں، لہٰذا ہم کو پورا ثواب ملتا ہے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میدان حشر میں اگر ہمیں جناب حضرت رسول اللہ ﷺ کی امت کے ادنیٰ درجہ کے مومنوں میں شامل فرمادے تو یہ ہمارے لیے انتہائی خوش نصیبی ہوگی، ہم جناب حضرت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے سوا کسی کو بھی یقینی طور پر ناجی نہیں کہتے، صرف حسن ظن ہی ہوتا ہے جو ایک مسلم کے لیے رکھنا پڑتا ہے۔

اب آپ نے جو بلاوجہ یہ افتراء پردازی کی ہے تو یاد رکھئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا ہاتھ ہوگا اور جناب کی دامن اور میں رب العالمین کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کروں گا کہ حضرت مولانا سے دریافت فرمائیے کہ کیونکر ہم پر ایسا الزام تھوپا تھا۔ بس پھر وہیں جواب دہ ہونا اس سے زائد میں نہیں لکھ سکتا، باقی رہا ثواب تو میں نے یہ بات اپنے مضمون میں بھی نہیں لکھی تھی کہ یقیناً وتر کے بعد دوگانہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو پورا ثواب ملے گا بلکہ اس کے برعکس آخر میں میں نے یہ لکھا تھا کہ یہ تو بیٹھ کر دوگانہ ادا کرنے سے آدھا ثواب ملتا ہے، لیکن اگر کچھ بھی نہ ملتا تب بھی ہمارے لیے یہی کافی وافی ہے کہ ہم نے جناب حضرت رسول ﷺ کی سنت ادا کی، اب ثواب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے وہ جو چاہے دے، ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ کام آنحضرت ﷺ کی سنت ہے اور ہر اہلحدیث سنت پر عمل کرنا اپنا ایمان سمجھتا ہے۔

ایک اور مثال مولانا کے افتراء پردازی اور بیجا اتہامات کا ملاحظہ فرمائیے! تنظیم اہلحدیث مجریہ ۷ صفر کے صفحہ ۱۰ کالم ہے تیسرے پر رقمطراز ہیں:

''لیکن پیر صاحب اور ان کے مریدوں کا اس کے خلاف عمل ہے کہ وہ ہمیشہ مغرب کی سنتیں مسجد ہی میں پڑھتے ہیں اور یہ بدعت ہے۔''

مولانا! معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے دوسروں پر بلاوجہ اتہامات لگانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور شاید جناب کو یہ خوف بھی نہیں آیا کہ ایک دن جناب کو اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں پیش ہونا ہے اور وہاں کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کیا آپ یہ آیات کریمہ نہیں پڑھتے:

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ٤ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ٥ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (مطففین: ٤تا٦)

''کیا انھیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین نہیں، اس بڑے بھاری دن کے جس دن لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

اور کیا جناب حضرت رسول ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

''میری امت کا مفلس وہ ہے جو آئے گا تو نمازوں اور روزوں اور صدقات وغیرہ کے ساتھ لیکن ''جاء شتم ہذا وکل مال ہذا'' الحدیث۔''

تو کیا جناب کو اس بات کا ڈر ہی نہیں کہ دوسروں پر بلاوجہ اور بلا کسی قصور کے لیسے لیسے اتہامات باندھتے ہیں اور ایسی افتراء پردازیوں کا ارتکاب کرتے ہیں میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ الزام جھوٹا اور اللہ جانتا ہے کہ بالکل جھوٹا ہے، آخر کس گناہ کی پاداش میں مجھ پر تھوپا ہے آپ نے مجھے دیکھا کب ہے اور کیسے معلوم ہوا جناب کو کہ میں ہمیشہ مغرب کے بعد سنتیں مسجد میں ہی پڑھتا ہوں۔

حالانکہ جو میرے ساتھ رہتے ہیں یا جن کا مجھ سے واسطہ ہے یا جو مجھے جانتے ہیں ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں مولانا کی افتراء پردازی کے بالکل برعکس مغرب کے بعد سنتیں گھر میں یا اپنی جگہ پر ہی آکر پڑھتا ہوں، الا کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد میں ہی پڑھ لیں تو خیر ورنہ یہ سنتیں ہمیشہ گھر آکر ہی پڑھا کرتا ہوں، پھر آپ نے یہ بدعت کا الزام جھوٹا مجھ پر کیوں لگا دیا ہے۔

پھر جناب نے جو ننگے پاؤں نماز پڑھنے کے متعلق لکھا ہے تو اس کے متعلق یہ گذارش ہے کہ میں ننگے پاؤں نماز پڑھتا ضرور رہوں لیکن جوتی پہن کر پڑھنے کو ناجائز نہیں کہتا بلکہ اس عمل

کو مسنون جانتا ہوں یعنی حضرت رسول ﷺ کی سنت سمجھتا ہوں اور ایسے مواقع بھی گزرے ہیں کہ میں نے جوتی کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو بہتر جانتا ہے اور وہ اس پر گواہ ہے باقی رہا اسس پر ہمیشگی نہ کرنا تو اس کے لیے اور دلائل پس جن کے تذکرہ کا یہ موقع نہیں اور نہ ہی یہ زیر بحث ہے۔ اسی طرح مولانا کا یہ الزام بھی درست نہیں کہ ہم ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں مولانا کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بالآخران چیزوں کے ذکر سے جناب کا کیا مطلب ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب دوسروں کی توجہ اصل مسئلہ سے ہٹا کر دوسری باتوں میں الجھانا چاہتے ہیں تاکہ ان باتوں میں کھو کر اصلی بات جو زیر بحث ہے وہ ختم ہو جائے، لیکن اہل علم وانصاف یقیناً آپ کی باتوں کو سمجھ جائیں گے۔ واللہ! میں تو سمجھتا بھی نہیں ہوں کہ آخر مجھ سے مولانا کے جناب میں کیا گستاخی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ایسے ایسے الزام لگانے سے بھی پرہیز نہیں کرتے ہاں یہ قصور ضرور ہوا کہ میں نے ان کے مضمون پر تعاقب کیا تھا لیکن اس تعاقب میں ''واللہ علی ما اقول شہید'' کوئی بری نیت نہیں تھی اور نہ ہی مولانا کی شان کو کم کرنا مقصود تھا بلکہ محض جو بات سمجھ میں آئی اس کا اظہار مطلوب تھا۔

آگے اگر مولانا کو اس میں غلطیاں نظر آگئیں تو ان کا اظہار وہ شائستہ الفاظ میں بھی کر سکتے تھے اور میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مولانا جیسی ہستی ایسی زبان استعمال کرنے پر آمادہ ہوگی اور ان جیسا عالم ایسے الزام لگائے، یہ میں نے خواب میں بھی نہیں خیال کیا تھا شاید مولانا اسی خوش فہمی میں بتلا ہیں کہ جو وہ تحریر فرماتے ہیں بس اسی کو ہی حرف آخر تسلیم کر لیا جائے اور اس کے مالہ وماعلیہ کے اظہار کی جرات بھی نہ کی جائے۔

خیر ان سب باتوں کا فیصلہ خالق السموات والارض کی عدالت عالیہ میں ہوگا پھر جو انہوں نے مجھ پر الزامات لگائے ہیں اگر وہ واقعی صحیح ہوں گے تو میں ہی وہاں ماخوذ بصورت دیگر وہ اپنی فکر کریں ہمیں حضرت رسول ﷺ کا یہ فرمان مبارک یاد ہے کہ:

((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده)) (بخاری ومسلم)

''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''

باقی مولانا کا یہ فرمانا کہ:

''میں'''' راقم الحروف '' نے ان پر الزام لگایا ہے کہ وہ مدلسین کی روایات کو استدلال میں پیش کرتے ہیں جو صحیح نہیں اگر میں کوئی مثال پیش کرتا تو جواب دیا جائے گا۔ سو اس کے بارہ میں یہ گذارش ہے کہ لیجئے دو مثالیں تو حاضر خدمت کر رہا ہوں ان کو دیکھ کر مولانا بھی انصاف کریں اور دوسرے اہل علم بھی فیصلہ کریں کہ واقعی مولانا نے مدلسین کی روایات سے استدلال کیا ہے یا نہیں۔

ان مثالوں کے پیش کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان مثالوں سے میرا مقصد محض ان حدیثوں پر سندی کلام ہے نہ نفس مسئلہ کیونکہ وہ مسئلہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے یعنی گو نفس مسئلہ تو دوسرے دلائل سے ثابت ہے لیکن یہ مخصوص دلائل جو ہیں وہ مخدوش ہیں کیونکہ ان میں مدلسین ہیں اور روایت عن سے کرتے ہیں
اور ہمارا مدعا ثابت ہو جائے گا کہ مولانا بھی مدلسین کی روایات دلائل کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور میں نے بھی ان مدلسین کی روایتوں کو اصالۃً ذکر نہیں کیا تھا محض صحیح حدیثوں کی تائید میں جن میں سے ایک حدیث حسن یا صحیح پھر تو ابو امامہ والی ہے جس کو مولانا نے بیجا تعقب اور زبردستی ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے اور صحیح حدیثیں آگے مزید تحقیق کے ضمن میں آرہی ہیں۔

لہٰذا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر مولانا ذکر کردہ امثلہ کے متعلق یہ فرمائیں گے کہ یہ روایتیں انہوں نے محض صحیح احادیث کی تائید کے لیے ذکر کی ہیں تو مجھ سے بھی یہی قصور ہوا ہے لہٰذا مجھ پر ان روایتوں (جن مںں کوئی مدلس راوی ہے) کی وجہ سے اعتراض بالکلیہ فضول ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مبادا ان حدیثوں پر میرے کلام کو بہانہ
بنا کر مولانا مجھے نفس مسئلہ کا مخالف قرار دے کر مجھ پر اعتراضات کی بوچھاڑ نہ کر دیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ مدلسین کی روایات دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ لیجئے

مثال نمبر1 :

((عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکروا بالصلوۃ فی یوم الغیم فإنہ من ترک الصلوۃ فقد کفر)) (رواہ ابن حبان کتاب الصلوۃ 'باب الوعید من ترک ترک الصلوۃ 'رقم الحدیث :۱٤٦٣)

('تنظیم اہلحدیث مجریہ ۱٦ شعبان ۱۳۸۸ صفحہ ۸ کالم ۳)

''پر زیر عنوان اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں''

ابن حبان کی اس حدیث کی سند میں یحیی بن ابی کثیر ہے جو مدلس ہے۔ دیکھئے طبقات المدلسین للحافظ ابن حجر وفتح الباری اور وہ ابوقلابہ سے عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں کیا یہاں مدلس کی روایت سے استدلال نہیں کیا گیا؟

مثال نمبر2 :

((لاتزوج المراۃ المراۃ ولاتزوج المراۃ نفسھا)) (رواہ ابن ماجہ والدار قطنی ورجالہ ثقات بلوغ المرام 'تنظیم اہلحدیث مجریہ ۲٦ ذوالقعدہ ۱۳۸۸ صفحہ ۵ کالم ۳ تحت عنوان ''الاعتصام'' کے ایک فتوی پر تبصرہ)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند میں ہشام بن حسان ہیں جو مدلس ہیں اور اس کی تدلیس مرتبہ ثالثہ میں سے ہے اور ایسے مدلسین کی روایت جب تک سماع کی تصریح نہ کریں محدثین قبول نہیں کرتے۔

(اُنظر الطبقات للحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ)

اور وہ ''ہشام'' محمد بن سیرین سے عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اس طرح اس حدیث کو دار قطنی بھی اپنے سنن میں لائے ہیں اور اس کی چند سندیں ذکر فرمائی ہیں لیکن سب میں یہی ہشام بن حسان ہیں اور محمد بن سیرین سے عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مولانا نے یہ تو لکھ دیا کہ ورجالہ ثقات لیکن یہ دیکھنا گوارا نہیں کیا کہ رجال کے ثقہ ہونے کے باوجود بھی کوئی علت ہو سکتی ہے جو حدیث کو ضعیف کر دیتی ہے۔ بہر حال اس حدیث کی سند میں مدلس ہے اور سماع کی تصریح نہیں کی، تاہم مولانا اس کو دلیل میں پیش کرتے ہیں، پھر بھی فرماتے ہیں کہ یہ میں نے ان پر الزام لگایا ہے۔ مولانا اللہ تبارک وتعالی نے اس بندہ حقیر کو ایسی بد خصلت سے اپنے فضل وکرم سے محفوظ رکھا ہے یہ جناب والا کی یہ بابرکت عادت ہے کہ دوسروں پر بلاوجہ خرافات فرماتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ میں نے جو یہ مثالیں پیش کی ہیں ان سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں جن کا نام مولانا نے تحریر فرمایا ہے۔ مثلا مثال اول میں ابن حبان کی صحیح اور دوسرے میں ابن ماجہ ودار قطنی اس لیے یہ قطعا مناسب نہ ہوگا اگر وہ کسی دوسری کتاب سے ایسی ہی حدیث نکال کر بیجا طول کلام پر آمادہ ہو جائیں۔ مولانا میں نے تو اپنی بات کا ثبوت دے دیا اب وہ محض الزام نہیں رہی۔

اب آپ اپنے چھوٹے الزامات کا ثبوت پیش کریں۔ میرے دلائل میں سے دوسری دلیل پر بحث کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں :

''اس کے علاوہ وہ مجہول العدالت ہے اس کی ثقات کتب اسماء الرجال میں پائی نہیں گئی۔'' ('تنظیم اہلحدیث مجریہ ۷ صفر ۱۳۸۸ کالم ۲)

میں حیران ہوں کہ مولانا جیسا متبحر عالم ایسی بات کیسے تحریر کر گیا جہاں تک میرا خیال ہے میں تو یقینا مولانا کو ایسا تصور نہیں کرتا کہ وہ علم اسماء الرجال سے ایسے ناواقف ہوں گے پس اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو مولانا کو جانتے ہوئے بھی ایسی عبارت لکھ دینا قطعا مناسب نہیں لیکن اگر خدانخواستہ وہ اس علم سے پوری طرح واقف نہیں ہیں تو اس صورت میں انہیں

اس پر قلم اٹھانے کا بھی یقیناً حق نہیں تھا۔

اولاً تو گزارش یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التہذیب میں ابوغالب کے متعلق لکھا ہے کہ :

''صدوق یخطئ''

اور حافظ صاحب نے تقریب کے ابتدا میں رواۃ کے مراتب ذکر کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ :

((الخامسۃ من وصر عن درجۃ الرابعۃ قلیلا والیہ الاشارۃ بصدوق سئ الحفظ او صدوق یہم او لہ اوہام او یخطئ الخ)) (تقریب التہذیب ص: ۳)

اس عبارت سے ہر اہل علم جان سکتا ہے کہ یہ روای (ابوغالب) ثقہ ہے نہ کہ مجہول العدالت اسی لیے حافظ صاحب نے اس کو صدوق لکھا ہے اگر مجہول العدالت ہوتا تو اس کو حافظ صاحب قطعاً نہ لکھتے بلکہ مستور او مجہول الحال وغیرہما کے الفاظ سے یاد فرماتے جیسا کہ ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں۔

((السابعہ من روی عنہ اکثر من واحد ولم یوثق والیہ الإشارۃ بلفظ مستور او مجہول الحال)) (تقریب التہذیب ص: ۳)

لیکن حافظ صاحب نے ان کو صدوق لکھا ہے لہذا وہ ثقہ ہیں۔

ثانیاً : ذیل میں تہذیب التہذیب سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے اس کو ملاحظہ فرما کر پھر اندازہ کریں کہ مولانا کا یہ ارشاد کہ وہ مجہول العدالت ہے اس کی ثقاہت کتب اسماء الرجال میں پای نہیں گئی کہاں تک درست ہے۔

حافظ صاحب تہذیب التہذیب ج ۱۲ میں ابوغالب کے نام کے متعلق اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :

((قال اسحاق بن منصور عن ابن معین صالح الحدیث وقال ابوحاتم لیس بالقوی وقال النسائی ضعیف وقال الدارقطنی ثقۃ وقال ابن عدی قد روی عن أبی غالب حدیث الخوارج بطولہ وہو معروف بہ ولم أری أحادیثہ حدیثاً منکراً وأرجو أنہ لاباس بہ وحسنہ الترمذی بعض أحادیثہ وصح بعضہا قلت وقال ابن حبان لایجوز الاحتجاج بہ الافیما وافق الثقات وقال ابن سعد کان ضعیفاً وقال البرقانی عن الدارقطنی ابوغالب حرور بصری یعتبر بہ و وثقہ موسی بن ہارون کما مضی فی الذی قبلہ انتہی)) (تہذیب ج ۱۲، ص: ۲۱۶)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ اس راوی ''ابوغالب' کو امام یحیی بن معین، دارقطنی، ابن عدی، موسی بن ہارون اور ترمذی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

اور ابوحاتم، نسائی، ابن حبان اور ابن سعد نے غیر قوی اور ضعیف قرار دیا ہے لیکن نسائی، ابوحاتم اور ابن سعد کو تضعیف اس لیے قابل قبول نہیں کہ ان کی جرح غیر مفسر ہے اور اصول حدیث میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ جرح مبہم غیر مفسر راوی کے متعلق مقبول نہیں ہوگی جس کی عدالت وثقات دوسرے ماہر فن سے ثابت ہو چکی ہو اور یہی معاملہ اس جگہ پر ہے کیونکہ ابوغالب کی ثقاہت اس فن کے امام یحیی بن معین سے منقول ہے اس کے علاوہ امام دارقطنی اور ابن عدی وغیرہما سے بھی عدالت ثابت ہو چکی ہے۔

لہذا ان کے مقابلہ میں ابوحاتم یا نسائی کی تضعیف تب ہی قابل قبول ہوتی جب وہ مفسر ہوتی۔ باقی رہی ابن حبان کی تضعیف تو اول تو وہ غیر مفسر ہے، لہذا قابل قبول نہیں۔ ثانیاً اس نے لکھا ہے کہ ''لایجوز الاحتجاج بہ الافیما وافق الثقات'' کا مفاد یہی نکلتا ہے جو حافظ صاحب نے تقریب میں لکھا ہے کہ

''صدوق یخطئ'' اور حافظ صاحب نے تقریب کے ابتدا میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ :

((انی أحکم علی کل شخص منہم بحکم یشمل أصح ما قیل فیہ وأعدل ما وصف بہ بالخص عبارۃ وأخلص إشارۃ))

علاوہ ازیں ابن حبان کا تساہل توثیق میں اور تجریح میں مشہور و معروف ہے، اگر کسی کو اعتبار نہ آئے تو لسان المیزان، میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور فتح الباری کے مختلف مقامات کو ملاحظہ کرلے تو میری بات اس کو صحیح نظر آئے گی، لہذا ان کی تجریح ان نقاد جیاد وجہابذ فن خصوصا امام ابن معین اور دار قطنی جیسے ماہرین کے مقابلہ میں اگر مفسر بھی ہو تب بھی قبول نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ جہاں مبہم ہو۔ اس جگہ پر ہم دو تین امثلہ نقل کرتے ہیں جس سے اہل انصاف کو میری بات صحیح نظر آئے گی۔

(1) : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں سوید بن عمرو الکلبی (جو کہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے) کے ترجمہ کے تحت امام ابن معین وغیرہ سے اس کی توثیق نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

((اما ابن حبان فاسرف واجترا فقال کان یقلب الاسانید ویضع علی الاسانید الصحاح المتون الواہیۃ))

(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ :۲۵۳)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تقریب میں اس کے ترجمے میں فرماتے ہیں کہ :

((ابن حبان القول فیہ ولم یدلیل))

(۲) : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حافظ ذہبی اپنے میزان میں عثمان بن عبدالرحمن الطرائفی کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں :

((واما ابن حبان فانہ یقعقع کعادتہ فقال فیہ یروی عن الضعفاء اشیاء ویدلسہا عن الثقات فلما کثر ذالک فی اخبارہ فلا یجوز عندی الاحتجاج بروایتہ بکل حال))

(۳) : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حافظ ذہبی اپنے میزان میں محمد بن الفضل اسدوسی عارم امام بخاری کے شیخ کے ترجمہ میں دار قطنی سے اس کی توثیق نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

((قلت فہذا قول حافظ العصر الذی لم یات بعد النسائی مثلہ فاین ہذا القول من قول ابن حبان الحساف المتہور فی عارم فقال اختلط فی آخر عمرہ وتغیر حتی کان لا یدری ما یحدث بہ فوقع فی حدیثہ المناکیر الکثیرۃ فیجتنب المنتخب عن حدیثہ فیما رواہ المتاخرون فاذا لم یعلم ہذا من ہذا ترک الکل ولا یحتج بشئی منہا (قلت) ولم یقدر ابن حبان ان یسوق لہ حدیثا منکرا فاین ما زعم؟)) (میزان الاعتدال جلد ٤ صفحہ ۸ ط : مکتبۃ الاثریہ)

ان عبارات سے آپ معلوم کرسکتے ہیں کہ ابن حبان صحیحین کے رواۃ پر بھی بسا اوقات ایسی جرح کرجاتے ہیں جو قطعا صحیح نہیں اسی وجہ سے نقاد فن نے ان کی جرح پر ردکی اور اس کی تضعیف کو دوسرے جہابذ فن کی توثیق کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں دیا۔

یہ تو میں نے تین مثالیں ذکر کی ہیں اگر اور بھی مثالیں دیکھنی ہوں تو فن رجال کی کتب کو مطالعہ فرمائیں بہت سی مثالیں اور بھی مل جائیں گی۔

لہذا چونکہ زیر بحث راوی (ابو غالب) کو دار قطنی ابن معین وغیرہما جیسے نقاد جیاد نے ثقہ قرار دیا ہے، لہذا ابن حبان جو کہ مسرف ہے اس کی جرح مقبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ اصول حدیث کے معیاری کتب میں طے ہوچکا ہے کہ جس راوی کی توثیق ائمہ فن کے لیے ثابت ہوچکی ہو اس پر اس جارح کی جرح مقبول نہیں ہوگی جو رجال کی جرح میں متعنت ہو جیسا کہ ابن حبان خصوصا کوئی دلیل بھی اپنی جرح میں پش نہ کی ہو، جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے اب آپ انصاف سے کہیں کہ مولانا حصاروی کا یہ تحریر فرمانا کہ اس کی ثقاہت کتب اسماء رجال میں نہیں پائی جاتی کہاں تک صحیح ہے؟ کیا مولانا کی نظروں سے یہ اسماء الرجال کی کتب گزری؟

((فإن کنت لا تدری فتلک مصیبۃ ان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم))

آگے پھر مولانا لکھتے ہیں :

''کیونکہ جس کے نام کا کوئی مستقل پتہ نہیں تو اس کے حالات سے کیا آگاہی ہوسکتی ہے۔''

یہ مولانا کی عجیب منطق ہے کہ جس راوی کے نام میں اختلاف ہو اس کے حالات بھی معلوم نہیں ہوسکتے۔ کیا مولانا اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ صحیحین میں بھی ایسے رواۃ پائے جاتے ہیں جن کے ناموں میں کثیر اختلاف ہے لیکن وہ اپنی کنیتوں سے مشہور ہیں تو کیا اس وجہ سے مولانا صحیحینکے رواۃ کے متعلق بھی یہی ارشاد فرمائیں گے کہ چونکہ ان کے نام کا بھی پتہ نہیں لہذا ان کے حالات کیسے معلوم ہوسکتے ہیں اور نتیجہ یہ کہ یہ رواۃ مجہول العدالت ٹھہرے علی زعم مولانا الحصاروی کیا مجھے ان رواۃ کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت ہے؟

درحقیقت بہت رواۃ کسی نہ کسی وجہ سے اپنی کنیت سے مشہور ہوجاتے ہیں بعد میں رفتہ رفتہ اختلاف پڑجاتا ہے دیکھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سب کے سب عدول ہیں لیکن بعض صحابہ اپنی کنیتوں سے مشہور ہوگئے تھے بعد میں ان کے ناموں میں شدید اختلاف ہوگیا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کی ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:

((واختلف فی اسمہ واسم أبیہ اختلافا کثیرا)) (تہذیب التہذیب: ج:۱۲)

کم از کم میری نظر سے تو متقدمین خواہ متاخرین میں سے کسی کا بھی ایسا قول نہیں گزرا کہ جس راوی کے نام میں اختلاف ہو وہ مجہول العدالت بن جاتا ہے۔ یہ مولانا کی ہی طبع زاد ایجاد ہے۔ واللہ الموفق

باقی مولانا نے جو یہ لکھا ہے کہ:

''اب اگر دو رکعت بیٹھ کر پڑھی جائیں.. وتر نماز کے آخر میں نہیں ہوسکتے۔''

(تنظیم اہلحدیث مجریہ ١٤ صفر ۱۳۸۹ھ صفحہ ۸ کالم ۱)

تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ دو رکعتیں وتر کے ساتھ نہیں، اس لیے یہ ساری رکعات وتر ہوگئیں ملاحظہ فرمایئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جو مسلم کی جلد اول میں مذکور ہے یہ طویل حدیث ہے جو سعد بن ہشام سے مروی ہے جس میں ہے کہ:

((قال قلت یاام المومنین انبئی عن وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کنا نعدلہ سواکہ وطورہ فیبعثہ اللہ مایشاء ان یبعثہ من اللیل فیتسوک یتوضا ویصلی تسع رکعات لایجلس فیہا الافی الثامنۃ: فیذکراللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم ینھض ولا یسلم ثم یقول فیصلی التاسعہ ثم یقعد فیذکراللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما یسمعنا ثم یصلی رکعتین بعدما یسلم وھو قاعد فتلک احدي عشرۃ رکعۃ یا بنی فلما اسن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخذہ اللحم اوتر بسبع وصنع فی الرکعتین مثل صنیعہ الاول فتلک تسع رکعات)) صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب جامع صلوۃ اللیل ومن نام عنہ اومرض رقم الحدیث: ۱۷۴۹.

اس صحیح حدیث سے واضح ہوگیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دو رکعتوں کو وتر کے ساتھ ہی معلق سمجھا اور قرار دیا اس لیے تو فرمایا کہ ((فتلک احدي عشرۃ رکعت)) اور ((فتلک تسع)) اور یہ بالکل واضح ہے اب ہم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فہم پر اعتبار کریں یا مولانا حصاروی کے فہم پر؟ یہ اہل انصاف خود فیصلہ کریں۔

پھر مولانا حصاروی صاحب قسط ۹ تنظیم اہلحدیث مجریہ ٦ ربیع الاول صفحہ ٦ کالم اول میں لکھتے ہیں۔

''(حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت) ابوداود طیالسی جلد اول ص۱۹ میں حدیث ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔''

((کان یوتر عندالاذان ویصلی رکعتین عندالاقامۃ)) مسند احمد ابوداود طیالسی جلد ۱ صفحہ ۷۸ رقم الحدیث: ۱۲۸ بیروت

''پھر ترجمہ لکھا ہے اوراس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ((کان یوتر)) دوام پر دلالت کرتا ہے جس سے پیر جھنڈا صاحب کو کوئی سبیل انکار نہیں ہے ۔''

میں حیران ہوں کہ مولانا جیسے علماء جن کو محقق شہیر جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے آخر ایسے واہی دلائل پیش کرنے کی جرات کیسے کرتے ہیں ۔ پھر مولانا کو غالباً یہ یاد نہیں رہا کہ وہ پہلے تحریر فرما چکے ہیں کہ میں نے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جس میں مولانا نے مدلسین کی روایات سے استدلال کیا ہو۔ حالانکہ اس پیش کردہ روایت میں ابواسحاق سبیعی ہیں جو مدلسین میں سے ہیں اوران کی تدلیس مرتبہ ثالثہ میں سے ہے اورروایت بھی عن سے کرتے ہیں گویا جس مضمون میں مجھ پر اعتراض کیا اور میرے لکھنے کو محض الزام قراردیا :

''فسبحان من لایضل ولاینسی ''

اور پھر اس کی سند میں ابواسحاق کا شیخ حارث اعور ہے جو ضعیف بلکہ کذاب ہے اگرچہ طبع میں حارث کی جگہ پر ابوالحارث چھا گیا ہے جو غلط ہے ابواسحاق کی روایت حارث اعور سے ہی مشہور ہے ورنہ مولانا بتادیں کہ یہ ابوالحارث کون ہے ؟ بہر حال نتیجہ صاف ہے اگر یہ حارث ہے تو یہ ضعیف ہے ۔ لہذا سند ضعیف ہوگئی اوراگر ابوالحارث ہے جیسا کہ مطبوع میں موجود ہے تو پھر یہ کوئی مجہول راوی ہیں پھر بھی یہ روایت ضعیف اورناقابل استدلال بن جاتی ہے ، لہذا اس روایت کو لے کر معرض استدلال میں آنا مولانا کی فقاہت اوران کی محققیت کا ہی حصہ ہے ۔

ادھر خود تواسی ضعاف احادیث پیش فرمادیتے ہیں اوروہ بھی بے دھڑک لیکن ہم اگر کوئی حدیث صحیح یا حسن بھی پیش کرنے کی جرات کرتے ہیں جو ان کے مسلک کے خلاف ہو تو فوراً اس کی تعیف پر آمادہ ہوجاتے ہیں ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے :

ہم آہ بھی کرتے ہیں توہوجاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں توچرچا نہیں ہوتا

پھر اس کے متن سے دوام کی دلیل لینا اور بھی عجیب بات ہے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیشہ ہی وتر فجر کی اذان کے وقت پڑھا کرتے تھے جو قطعاً غلط ہے اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ وتر ہمیشہ دن میں پڑھتے تھے رات کو نہیں پڑھتے تھے کیونکہ فجر کے بعد شرعی رات نہیں ہے ہاں اگر مطلب یہ ہو کہ آپ جب کبھی رات کو کسی وجہ سے وتر پڑھ نہیں لیتے تھے اور صبح ہوجاتی تھی تو اذان کے وقت بھی پڑھ لیتے تھے تو صحیح جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے پتہ چلتا ہے لیکن اس صورت میں مولانا کا یہ الزام جو انہوں نے ہمیں کان کی وجہ سے دیا ہے ھباء منثورا بن جائے گا ، غور فرمائیں!

پھر آگے اسی پرچہ تنظیم اہلحدیث میں کالم ۲ میں رقمطراز ہیں :

''ابوداودالطیالسی کے اسی صفحہ میں ہے :

((عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوتروا قبل الفجر)) مسند ابوداود طیالسی جلد ۲ 'صفحہ ۵۵۸ 'رقم الحدیث : ۲۲۷۷ 'ط : بیروت

یہ حدیث قولی ہے جس میں صبح سے پہلے وتر پڑھنے کا ارشاد ہے جس میں وتروں کے بعد دوگانہ پڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔''

اس کے متعلق اولاً تو یہ گزارش ہے کہ یہ حدیث ابوسعید کی ابوداود طیالسی میں اسی صفحہ میں تو نہیں ہے اورنہ ہی اس صفحہ کے پہلے صفحہ میں اورنہ اس کے بعد کے صفحہ میں موجود ہے اور مولانا نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ اس صفحہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مسانید ذکر ہورہی ہیں ۔

لہذا وہاں حضرت ابوسعید کی روایت کا آخر کون سا موقع تھا غالباً یہ عجلت میں لکھ گئے ہیں اورچونکہ اپنے تحریر کئے ہوئے سطور کو حرف آخر ہی سمجھتے ہیں لہذا اس پر نظر ثانی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔

ثانیا: اس حدیث میں وہ بات تو ہے ہی نہیں جو مولانا نے اس میں حاشیہ کے طور پر لگا دی ہے۔ اس میں تو محض آنحضرت ﷺ کے یہ ارشاد مبارک ہے کہ فجر سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو آپ نے ''قبل الفجر'' کے الفاظ فرمائے ہیں ''قبیل الفجر'' نہیں فرمایا پھر اس سے یہ بات کہاں سے نکلتی ہے کہ اب وتروں کے بعد دوگانہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیا قبل الفجر اس بات کو مستلزم ہے کہ وتر بالکل ہی فجر سے تین یا چار منٹ ہی پہلے پڑھ لیا جائے آخر یہ مطلب دلالت ثلاثہ میں سے کس دلالت پر مبنی ہے؟

اس ارشاد گرامی کا واضح مطلب یہی ہے کہ وتر کو فجر سے پہلے پڑھ لیا جائے تاکہ وتروں کو نہ پڑھنا پڑے ہاں اگر نیند یا کسی اور وجہ سے صبح ہو جائے تو پھر بھی پڑھ لینا چاہیئے لیکن اس صورت میں پھر وتر کے بعد دو رکعت نہ پڑھنا اس وجہ سے ہے کہ اب رات تو رہی ہی نہیں اور فجر کے بعد آنحضرت ﷺ دو رکعت (سنت الفجر) کے سوائے کچھ نہیں پڑھتے تھے اس لیے وہ دو رکعتیں نہیں پڑھی جائیں گی صرف وتر ہی پڑھا جائے گا کیونکہ اس کی اجازت دوسری احادیث سے آچکی ہے لیکن اس سے ی بات کہاں نکلتی ہے کہ وتر صبح سے بہت پہلے بھی اگر پڑھ لیا جائے تو اس صورت میں بھی اس کے بعد دوگانہ ادا نہ کرے اس قسم کا استدلال مولانا کی فہم مبارک کا ایجاد ہے۔

آگے پھر اسی کالم میں لکھتے ہیں:

((عن زید بن اسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن وترہ فلیصل اذا صبح)) (رواہ الترمذی)

مولانا زید بن اسلم تو تبع تابعی ہیں ان کا یہ کہنا کہ قال رسول اللہ ﷺ کیسے درست ہو سکتا ہے یہ تو تابعی بھی نہیں کہ یہ حدیث مرسل ہوتی (گو وہ بھی محققین کے نزدیک ضعیف ہے) لیکن یہ تو منقطع ہے ایسے منقطعات کو معرض استدلال میں لانا آپ کو مبارک ہو تاہم اس سے بھی ان کا مزعومہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ یعنی ایک آدمی رات کو نیند کی وجہ سے وتر پڑھ نہیں سکا اس لیے صبح کو پڑھ لے آخر اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلتا ہے کہ اگر وہ رات کو پڑھے تو اس کے بعد دوگانہ ادا نہ کرے۔ کیا مولانا وتر کو ہمیشہ صبح کے بعد ادا کرنے کے قائل ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ان جیسے دلائل کو پیش کرنے کی زحمت آخر کیوں اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح مولانا نے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد کی روایت نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

((فانتہی وترہ إلی السحر))

اس سے بھی ان کی مزعومہ دعوی کا ثبوت ملتا ہے اس کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ گو آنحضرت ﷺ نے رات کے اول حصہ اور اوسط حصہ میں بھی وتر پڑھا ہے لیکن آخر الامر آپ کا وتر رات کے آخری حصہ میں منتہی ہو گیا کیونکہ سحر کے معنی آخر اللیل ہے نہ کہ فجر کے بعد والا وقت پھر اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلا کہ سحر کے وقت وتر کے بعد آپ دوگانہ نہیں پڑھتے تھے؟ یہ دو رکعتیں وتر کے ساتھ ہی کہیں اسی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا تھا کہ:

((فتلک تسع وتلک عشرۃ))

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مسلم شریف سے یہ روایت نقل کی جا چکی ہے تو اب مطلب یہ ہوا کہ اخیر عمر میں آپ وتر کو رات کے آخری حصہ میں ادا فرماتے تھے اور یہ دو رکعتیں بھی ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ لہذا ہم یہ سمجھنے سے قطعی قاصر ہیں کہ یہ حدیث ان کے مفروضہ پر کیسے دلیل بن سکتی ہے۔ پھر مولانا نے جو احادیث پیش کی ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چند بار وتر کے بعد دوگانہ رکعت بیٹھ کر نہیں پڑھیں اس سے ان کی مواظبت اور مداومت پر حرف نہیں آتا کیونکہ نوافل و مندوبات میں مداومت عرفی ہوتی ہے جو اکثریت کے مترادف ہے ورنہ اگر کسی فعل سے چند بار کو مستثنی کرنے سے مواظبت بالکل نہیں رہتی تو پھر مولانا سوائے فرائض کے دوسرے اکثر افعال میں مواظبت ثابت نہیں کر سکتے اور اس طرح سلف سے خلف تک جو کسی فعل میں مواظبت و مداومت کا ذکر کرتے آئے ہیں وہ سراسر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

ایسا دعوی (ان دو رکعتوں کے متعلق) نہ تو ہم نے کیا ہے اور نہ ہی کر سکتے ہیں ہمارا دعوی تو اکثریت کے بارہ میں ہے اور اس کو ہم مواظبت یا ہمیشگی سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ

ہر کام میں کتنی مداومت بھی کی جائے لیکن پھر بھی اس سے چند مستثنیات ہو ہی جاتے ہیں۔ اور مولانا نے اس (اکثریت) کی نفی پر کوئی دلیل ٹھوس و معقول ابھی تک پیش نہیں فرمائی باقی مولانا نے جو آخری قسط میں تحریر فرمایا ہے کہ:

اوران (دوگانہ) کو نبی ﷺ ہمیشہ پڑھتے تھے یہ آنحضور ﷺ پر جھوٹ باندھنا ہے جس کی سزا بڑی سخت ہے۔''

اس عبارت میں انہوں نے اشارۃ گویا مجھے اس کا متہم بنایا ہے کہ میں نے ذات اقدس حضرت سرور کائنات ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے اس کے متعلق میں کیا عرض کروں دوسروں پر بیجا الزامات تھوپنا اوران کی طرف ناکردہ گناہ منسوب کرنا یہ مولانا کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔

چنانچہ گزشتہ صفحات میں مولانا کی گل افشانیاں ذکر کرچکا ہوں، اللہ تبارک و تعالی بہتر جانتا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ پر قطعاً جھوٹ نہیں باندھا محض ایک بات صحیح سمجھ میں آگئی تھی (اوراب بھی اس کو صحیح سمجھ رہا ہوں) وہ عرض کردی تھی اوراس کے باوجود بھی اگروہ مجھے ایسے عظیم گناہ کا مرتکب سمجھ رہے ہوں گے تو اس کا فیصلہ ان شاء اللہ رب العالمین، مالک یوالدین کی عدالت میں ہوگا پھر وہاں ان کو جواب دہ ہونا پڑے گا، میں اس سے مزید اس پر کچھ بھی لکھنا نہیں چاہتا۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ:

''میں کہتا ہوں کہ پھر وتروں کے بعد یہ دو رکعتیں چھوڑدی گئیں صرف وتر پر نماز کو ختم کیا گیا۔''

میں پوچھتا ہوں کہ ایسی حدیث کس کتاب میں ہے کہ پھر آپ نے ان دو رکعتوں کو چھوڑدیا تھا؟ ایسی حدیث ابھی تک تو آپ نے پیش فرمائی ہی نہیں صرف ایسی احادیث پیش فرمائی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند بار آپ نے ان کو نہیں پڑھا تھا لیکن یہ ترک بعد تھا یا ابتدا میں اوراس کے بعد پھر ہمیشہ دو رکعت پڑھتے رہتے تھے، اس کے متعلق ان احادیث میں کوئی تعرض نہیں یہ ''پھر وتروں کے بعد الخ'' مولانا کی ہی حاشیہ آرائی ہے وہ دوسروں کو تو ایسا الزام دینے سے بھی نہیں گھبراتے کہ وہ حضور اکرم ﷺ پر جھوت باندھتے ہیں لیکن خود ایسی حاشیہ آرائیاں اپنی طرف سے احادیث میں کردیتے ہیں اوران کو کوئی کہنے والا نہیں۔ لہذا ان پر یہ فرض ہے کہ اپنے اس اضافے کو صراحتاً حدیث سے ثابت کریں ورنہ وہ خود فیصلہ کریں کہ انہوں نے کس چیز کا ارتکاب کیا ہے۔

دراصل ان احادیث میں یہ بات ہے ہی نہیں کہ یہ ترک (دوگانہ) پہلے تھا اب صاف بات تو (محدثین کے تطبیق کے طریقہ پر) یہ ہے کہ دونوں احادیث کو اپنی جگہ پر رکھا جائے جن جن احادیث سے آپ کی ان دو رکعتوں پر مداومت ہوتی ہے اس کو اغلب احوال پر محمول کیا جائے اور ترک والی حدیثوں کو جواز کے لیے گاہے گاہے چھوڑنے پر محمول کیا جائے آخر اس میں کون سی خرابی ہے؟ آگے مولانا فرماتے ہیں:

''یہ سنت بالکل نہیں ہے اس کی تین وجوہات ہیں۔ یہ کہ یہ خاصہ نبوی ہے اور خاصہ نبوی امت کے لیے سنت نہیں۔''

مولانا صاحب خاصہ نبوی احتمالات سے ثابت نہیں ہوتا اس کے لیے ٹھوس دلیل چاہیے ورنہ بہت سی باتوں کے متعلق یہ دعوی کیا جاسکتا ہے اور پھر اس سے بہت سے کاہل اور سنت سے تغافل کرنے والوں کو ایک بہانہ ہاتھ آجائے گا اور یہی کہیں گے کہ جناب یہ تو خاصہ نبوی ہے ہم کو اس پر عمل کرنا نہیں ہے۔ باقی آگے چل کر جو مولانا نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

((لست کاحد منکم))

تو اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ یہ فرمان نبوی ﷺ تو ثواب کے متعلق تھا یعنی ثواب کے سلسلہ میں آپ جیسا نہیں ہوں بلکہ مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی پورا ثواب ملتا ہے اور یہ بات مختلف فیہ ہے ہی نہیں بلکہ ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب آدھا ہی ہے لیکن آدھے ثواب کو اختیار صرف اس لیے کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی سنت ہے لہذا یہ دلیل صحیح نہیں رہی۔ آگے پھر قمطراز ہیں رہی یہ کہ یہ دو تین دفعہ کا فعل ہے پھر اس کے خلاف عمل ہوتا رہا ہے کیونکہ آنحضور ﷺ آخر میں وتر پڑھتے رہے ہیں جس کے بعد کوئی

نماز نہیں پڑھی۔''

اس وجہ پر بھی دلیل معقول تو کوئی پیش نہیں فرمائی آخر سے مراد اگر وہ حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ :

((فانتھی وترہ الی الفجر))

تو اس کے متعلق پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس سے ان دو رکعتوں کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ رات کے آخری حصہ میں ہو کر رہ گیا تھا یعنی آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصہ میں بھی وتر پڑھتے رہے اور وسطی حصہ میں بھی لیکن آخیر عمر میں آپ اک وتر رات کے اخیر حصہ میں ہوتا تھا، اب کوئی اہل علم انصاف سے بتائے کہ اس سے آخر ان دو رکعتوں کی نفی کیسے ہوتی ہے ؟ اور اگر اس وجہ سے مولانا کی مراد یہ ہے کہ جن حدیثوں سے ترک معلوم ہوتا ہے وہ آخری فعل ہے تو اس کے لیے دلیل کا مطالبہ ہے کہ یہ حدیثیں بعد کی ہیں۔

حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو مسلم شریف میں وارد ہے جس میں انہوں نے آپ کی آخر عمر رات کی نماز کا جو ذکر کیا ہے (حدیث کے الفاظ بالکل واضح ہیں کہ یہ اخیر کا فعل ہے) اس میں ان دو رکعتوں کا بھی ذکر ہے اور ان سب کو ملا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو نو شمار کیا ہے ''فتلک تسع'' اب آپ ہی فرمائیں کہ آپ کے احتمال کو صحیح سمجھیں یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو اور دوسرے کسی مرد صحابی کی بات زیادہ وزنی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ نماز (اکثر آپ گھر پر ہی پڑھتے تھے۔ یہ وجہ بھی معقول ہے آگے بیان کرتے ہیں۔

(1) : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ نفل تہجد کے وقت پڑھے گئے ہیں، عشاء کے وقت پڑھنے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے صرف ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر ہے تو وہ مسافر کے بیان میں ہے الخ مولانا آپ جیسے محقق شہیر سے وفوق کل ذی علم علیم والاربانی ارشاد مبارک قطعا اوجھل نہیں ہونا چاہئے تھا اگر جناب کو ایسی حدیث نہیں ملی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی الواقع ایسی حدیث ہی موجود نہیں ہے بلکہ ایسی صریح حدیث بھی ہے جو مزید تحقیق میں آرہی ہے لہذا یہ تیسری وجہ بھی ''لایسمن ولایغنی من جوع'' ہے۔

پھر آگے چل کر مولانا اس طرح گوہر افشانی کرتے ہیں :

''پانچواں امر تنقیح طلب یہ تھا کہ ان نفلوں کو اگر کوئی تہجد کے وقت وتروں کے بعد پڑھے تو اس طرح پڑھنے چاہئیں کہ بیٹھ کر شروع کرے جب قراۃ پوری ہو جائے تو کھڑا ہو جائے پھر رکوع کرے اور سجدہ کر کے رکعت پوری کرے اسی طرح دوسری رکعت پڑھے اس طرح پڑھنے کا پورا ثواب ملے گا۔''

مولانا عجیب بات فرماتے ہیں پہلے تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وتر کے بعد دوسری نماز بالکل نہ پڑھی جائے کیونکہ یہ فرمان نبوی :

((اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترا)) اوکما قال

کے خلاف ہے اور وتر کے بعد دو رکعت جو آپ نے پڑھی ہیں وہ آپ کا خاصہ تھا اور خاصہ امت کے لیے سنت نہیں ہے۔ اور پھر اس جگہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تہجد کے وقت پڑھے تو اس طریقہ پڑھے تو پورا ثواب ملے گا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تہجد کے وقت وتروں کے بعد وہ بھی دو رکعت پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں لیکن ان کے تحریر کردہ طریقہ پر لہذا بجا طور پر یہ ان سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ امت کے لیے سنت سے ہی نہیں تہجد پڑھی ہی کیوں جائیں اور پھر ان کا ثواب کیسے پورا ملے گا۔ کیا سنت کی مخالفت میں بھی ثواب ملتا ہے ؟ بہر حال اس تناقض کو وہ خود ہی رفع کر سکتے ہیں ہم جیسے ہیچ مدان تو اس کے رفع کرنے سے قاصر ہیں۔

بہر صورت اگر وہ تہجد کے وقت وتر کے بعد دو رکعتوں کے پڑھنے کو جائز اور کار ثواب سمجھتے ہیں تو باقی رہا عشائ کے بعد وتروں کے بعد کے پیچھے دو رکعتوں کا اثبات سو ہمارے ذمہ ہے ہم ان کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی حدیث دکھا دیتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ وہ حق کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

باقی ان دو رکعتوں کے پڑھنے کی کیفیت کو جو مولانا نے بس ایک ہی طریقہ میں بند کر دیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ یہ کیفیت (یعنی مولانا کی بیان کردہ کیفیت) ان دو رکعتوں کی اس صورت

میں ہے کہ یہ دو رکعتیں آپ لمبی کر کے پڑھتے تھ جیسا کہ خود حدیث کا سیاق اس پر شاہد عدل ہے ورنہ ساری نماز دونوں رکعتیں پوری کی پوری بیٹھ کر پڑھنا اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ان دو رکعتوں کو خفیف کرتے تھے اور ان میں سورت اِذَازُلزِلَتِ اور قُل یٰٓاَیُّھَا لکٰفِرُون پڑھا کرتے تھے اور ہر ذوانصاف اس کو تسلیم کرے گا اور وہ حدیث حسن یا صحیح لغیرہ ہے ،اسی طرح جو آگے ہم عشاء کے بعد وتر کے پیچھے دو رکعتوں کو بیٹھ کر ادا کرنے والی حدیث پیش کریں گے تو اس سے بھی اہل علم وانصاف یہی سمجھیں گے کہ یہ دونوں رکعتیں پوری کی پوری آپ نے بیٹھ کر ادا کیں۔

آخر میں مولانا نے جو حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے اس کے متعلق اولا تو یہ گزارش ہے کہ مولانا دوسروں کے دلائل پر فورا بیجا اعتراضات کر دیتے ہیں اور ان حدیثوں کی سندوں پر زبردستی جہالت اور ضعف کا حکم صادر فرما دیتے ہیں لیکن خود جو بھی دلیل پیش کرتے ہیں اس کے متعلق اتنی کاوش بھی نہیں کرتے کہ یہ تو معلوم کریں کہ اس کے رواۃ کا کیا حال ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن ابی الموالی ہے جس کے متعلق حافظ صاحب تقریب میں فرماتے ہیں صدوق ربما اخطا۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ مولانا نے میری پیش کردہ حدیث کی سند کے راوی ابو غالب کو ضعیف قرار دیا حالانکہ ضعف کی وجہ کچھ بھی بیان نہ کی اگر ضعف کی وجہ یہ تھی کہ ابو غالب کے ترجمہ میں یخطئ کا لفظ ہے ، تو اس راوی عبدالرحمن کے ترجمہ میں ربما اخطاء کے الفاظ ہیں جو یخطئ سے زیادہ وزنی ہیں کما لایخفی اگر عبدالرحمن کے متعلق حافظ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ صدوق (جو حسن الحدیث ہونے پر دال ہے) تو ابو غالب کے متعلق بھی حافظ صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ صدوق۔ پھر یہ کتنی بے انصافی ہے کہ اپنی پیش کردہ روایات کے رواۃ سے اعراض کرتے ہیں اور اگر دوسرا کوئی ان کے خیال اور رائے کے برخلاف دلیل پیش کرے تو فورا اس کی تضعیف کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ قطعا ضعیف نہیں ہوتی۔

ثانیا: اس حدیث میں ان دو رکعتوں کا ذکر نہیں تو کیا عدم ذکر سے عدم وجود لازم آتا ہے بسا اوقات رواۃ اختصار سے کام لیتے ہیں۔

ثالثا: یہ احتمال ہے کہ یہ ترک پہلے زمانے کا ہو جیسا کہ اس کی دلیل گزشتہ سطور میں پیش کر چکا ہوں۔

رابعا: یہ ترک وجہ جواز کے لیے کبھی کر دیا لیکن اس لیے ان دو رکعتوں کی نسبت کیوں باطل پیش کر رہے ہیں اس طرح آپ کا دعوی بھی ھباء منثورا ہو جاتا ہے۔

امام احمد کے مسند: ج ٦ ص ٢٣٦ پر یہ حدیث ملتی ہے:

((حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یزید قال ثنا بہز بن حکیم وقال مرة انا قال سمعت زرارة بن اوفی یقول سالت عائشہ عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کان یصلی العشاء ثم یصلی بعدہا رکعتین ثم ینام فاذا استیقظ وعندہ وضوء مغطی وسواکہ استاک ثم توضا فقام فصلی ثمان رکعات یقرا فیہن بفاتحۃ الکتاب وماشاء من القرآن وقال مرة ماشاء اللہ من القرآن فلا یقعد فی شئی منہن الافی الثامنۃ فانہ یقعد فیہا فیتشہد ثم یقوم ولا یسلم فیصلی رکعۃ واحدۃ ثم یجلس فیتشہد ویدعو یسلم تسلیمۃ واحدۃ السلام علیکم یرفع بہا صوتہ حتی یوقظنا ثم یکبر وہو جالس فیقرا ثم یرکع ویسجد وہو جالس فیصلی جالسا رکعتین فہذہ احدی عشرۃ رکعۃ فلما کثر لحمہ وثقل جعل التسع سبعا لایقعد الا کما یعقد فی الاولی ویصلی رکعتین قاعدا فکانت ہذہ صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قبضہ اللہ))

رجال السند:...... امام احمد کا شیخ یزید ابن ہارون الواسطی ہے۔ حافظ صاحب تقریب میں فرماتے ہیں کہ ثقہ متقن عابد اور یزید کا استاد بہز بن حکیم ہے اور وہ صدوق ہے کما فی التقریب اور بہز نے زرارۃ بن اوفی سے سنا ہے وہ ثقہ ہے کما فی التقریب سند میں کوئی انقطاع وغیرہ کی علت نہیں ہے۔

متن الحدیث:...... اس حدیث میں جناب حضرت رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز تہجد بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آنحضرت ﷺ کو ٩ رکعتیں وتر تہجد قیام اللیل سب ایک ہی چیز کے مختلف اعتبارات کی وجہ سے مختلف نام ہیں۔ پڑھا کرتے تھے اور ان نو رکعات کے بعد آپ بیٹھ کر دوگانہ ادا فرماتے تھے جن میں رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔ بعد میں پھر سات رکعات وتر اور ان کے بعد دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے۔

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اس حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ آپ ایک سلام کہتے تھے اس سے حدیث کے متن کی نکارت پر استدلال نہ کیا جائے کیونکہ یہ تسمیہ واحدۃ صرف آواز کی اونچائی کے اعتبار سے ہے یعنی ایک سلام آپ آواز سے کہتے تھے تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وتر کے لیے اٹھ جائیں باقی دوسرے سلام کا ذکر نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ نے آہستہ کہا ہو اس کا انکار حدیث میں قطعا نہیں ہے۔ فافھم!

دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو مسند احمد کے جزء سادس، ص ۱۵٦ میں واقع ہے۔

((حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا ابوالنضر ثنا محمد یعنی ابن راشد عن یزید بن یعفر عن الحسن عن سعد بن ہشام عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعد ہما رکعتین اطول منہما ثم اوتر بثلاث لا یفصل فیہن ثم صلی رکعتین وہو جالس یرکع وہو جالس ویسجد وہو قاعد جالس))

رجال السند:...... امام احمد کے بعد ان کا شیخ ابوالنضر ہے ان کا نام ہاشم بن القاسم ہے جو کہ ابوالنضر کی کنیت ہے زیادہ مشہور ہیں ان کے متعلق تقریب میں لکھا ہے کہ ثقہ ثبت اس کے بعد محمد بن راشد جو شامی نہیں اور وہ صدوق ہیں قالہ فی التقریب) اور وہ یزید بن یعفر سے روایت کرتے ہیں اس کے متعلق حافظ صاحب تعجیل المنفقہ برجال الاء بعہ میں فرماتے ہیں کہ:

((قال الدارقطنی یعتبر بہ))

یعنی امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ راوی معتبر ہے۔

((وذکرہ ابن حبان فی الثقات))

اور ابن حبان نے اس روای کو اپنے (الثقات) میں ذکر کیا ہے، پھر آگے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ:

((وقال الذہبی فی المیزان لیس بحجۃ))

اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ یہ راوی حجت نہیں ہے۔''

بندہ راقم الحروف کہتا ہے کہ حافظ ذہبی کا یہ فرمانا کہ ''یہ راوی حجۃ نہیں ہے۔ ''اس راوی کو ثقاہت سے نہیں گراتا کیونکہ یہ جرح غیر مفسر ہے حافظ ذہبی صاحب نے اس جرح کا سبب بیان نہیں کیا حالانکہ اس کی توثیق امام دارقطنی جیسے محقق فن اور معتدل سے موجود ہے اور خود ذہبی صاحب نے میزان میں تصریح کی ہے کہ امام نسائی کے بعد دارقطنی جیسا امام فن اور کوئی نہیں گزرا اور پھر امام دارقطنی اس توثیق میں منفرد بھی نہیں کیونکہ ابن حبان نے بھی ان کی توثیق کی ہے اس لیے اس کو اپنے (الثقات) میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ بات اصول حدیث میں طے ہو چکی ہے کہ تعدیل پر جرح صرف وہ مقدم ہوتی ہے جو مفسر ہو۔ لہذا امام دارقطنی جیسے ناقد جید کے مقابلہ میں حافظ ذھبی کی یہ جرح غیر مفسر غیر معتبر ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی مسلم نہیں کہ یہ الفاظ

''لیس بحجۃ'' جرح پر قطعی دلالت کر رہے ہیں کیونکہ حجت یہ ثقہ، ثبت وغیرہما کے الفاظ سے بہت اونچا ہے اس لیے حجۃ ہونے کی نفی سے ثقاہت کی نفی لازم نہیں آتی۔

اب حافظ ذہبی کا قول بھی ان دو اماموں کے قول کے متعارض نہیں رہا کیونکہ حافظ ذہبی نے حجت ہونے کی نفی کی ہے نہ کہ مطلق ثقاہت کی لہذا یہ راوی ثقہ ہے گو حجۃ نہیں ہے اور ایسا محمل تلاش کرنا جس سے ائمہ حدیث کے اقوال کا آپس میں تعارض رفع ہو جائے حد امکان تک نہایت ضروری ہے۔ ہمارا مذکورہ بالا دعوی ہے ایک ہی راوی ثقہ بھی ہو سکتا ہے اور غیر حجت بھی پر ذیل میں ائمہ فن کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(1):...... میزان الاعتدال میں محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں حافظ ذہبی امام یحیی بن معین سے نقل فرماتے ہیں کہ قال ابن معین ''ثقۃ ولیس بحجۃ ''یعنی محمد بن اسحاق ثقہ تو ہیں لیکن حجت نہیں۔ (المیزان: ج ۳ ص ٤٦٩ طبع جدید)

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:

((قال ابوزرعۃ سالت یحیی بن معین عن ابن اسحاق ہو حجۃ؟ قال ہو صدوق الحجۃ عبیداللہ بن عمرو والاوزاعی وسعید بن عبدالعزیز)) (المیزان : ج۳ ص ٤٧٢)

(۲) :......یعنی ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحیی بن معین سے پوچھا کہ کیا ابن اسحاق حجۃ ہیں تو امام ابن معین نے جواب میں فرمایا کہ ابن اسحاق صدوق ہیں حجۃ تو عبیداللہ بن عمر اوزاعی، اور سعید بن عبدالعزیز ہیں۔ اس عبارت نے مزید وضاحت کر دی کہ حجۃ کا لفظ ثقہ صدوق وغیرہما سے کافی ارفع واعلی ہے۔ اس طرح سلیمان بن حیان ابوخالد الاحمر الکوفی کے ترجمۃ کے تحت لکھتے ہیں :

((روی عباس عن ابن معین صدوق لیس بحجۃ)) (المیزان : ج۲ ص ۳۰۰)

یعنی عباس الدوری ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ سلیمان صدوق ہیں اور حجۃ نہیں ہیں۔ اور ابن عدی نے بھی اسی بات کو بحال رکھا ہے جیسا کہ اپنے ''کامل ''میں فرماتے ہیں کہ

((ہو کما یحیی صدوق لیس بحجۃ)) (المیزان : ج ص ۲۰۰)

یعنی سلیمان الاحمر جیسا کہ یحیی نے فرمایا صدوق ہیں اور حجۃ نہیں ہیں۔

(۳) :......معاذ بن ہشام بن ابی عبداللہ الدستوائی کے ترجمہ میں نقل فرماتے ہیں :

((صدوق لیس بحجۃ)) (المیزان : ج٤ ص ۱۳۳)

یعنی معاذ بن ہشام صدوق ہیں اور حجۃ نہیں۔

ان امثلہ سے یہ اندازہ نہ کیا جائے کہ یہ خاص امام ابن معین کی اصطلاح ہے بلکہ اور ائمہ فن حدیث سے بھی ایسے بہت امثلہ موجود ہیں ایک مثال مزید ملاحظہ فرمائے۔

(٤) :......موسی بن عبیدۃ الربذی کے ترجمہ میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں :

((قال ابن سعد ثقۃ ولیس بحجۃ)) (المیزان : ج٦ ص ۲۱۳)

ابن نے سعد نے کہا ہے کہ موسی ثقہ ہیں اور حجت نہیں ہیں۔ ''

ایسی اور بھی بہت امثلہ مزید رجال کی کتب میں ملتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ ہماری پش کردہ حقیقت کے ثبوت کےلیے یہ امثلہ بھی کافی اور شافی ہیں۔ بہر کیف جب عدم حجیت ثقاہت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حجۃ کا لفظ ارفع واعلی ہے لہذا ان کی نفی سے اس سے ادنی درجہ کا انتفاء نہیں ہوگا۔ تو پھر زیر بحث راوی یزید بن یعفر کے متعلق حافظ ذہبی کا یہ فرمانا کہ :

((لیس بحجۃ))

اس راوی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور نہ اس کو ثقاہت وصداقت کے مرتبہ سے گراتا ہے کیونکہ اس کی توثیق اس شان کے امام دار قطنی سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس راوی کے بعد الحسن آتے ہیں کہ یہ حسن بصری ہیں جس کے متعلق تقریب التہذیب میں حافظ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ ثقہ فقیہ فاضل مشہور اس کے بعد سعد بن ہشام ہیں وہ بھی ثقہ نہیں تقریب بالجملہ اس حدیث کی سند حسن لذاتہ کے درجہ سے متنزل نہیں ہے بلکہ اگر اس کو صحیح لغیرہ کہا جائے تو صواب سے بعید نہیں ہے۔

متن حدیث :......اس حدیث سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے ہ آنحضرت ﷺ اگر اول رات میں عشاء کی نماز کے بعد بھی وتر پڑھتے تھے تو دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اب تو شارع علیہ

السلام سے عشاء کے بعد وتر کے پیچھے دوگانہ بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہوگیا اور اس سے قبل ایک عام دلیل (حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پہلے مقالہ میں پیش کرچکا ہوں) اب ان ادلہ واضحہ کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی بدعت کا حکم لگاتا ہے تو جواب میں ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ۔

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

اس حدیث کے متن میں کوئی نکارت بھی نہیں ہے۔

(۱):......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھیں یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کیونکہ گو آنحضرت ﷺ اکثری طور پر دو رکعت پڑھا کرتے تھے لیکن بعض اوقات چار رکعتیں بھی پرھا کرتے تھے۔ چنانچہ عشاء کے بعد ان چار رکعات کا ثبوت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ یہ جو کہا کہ:

((ثم اوتر بثلاث لا یفصل فیهن))

(۲):......یعنی پھر آپ تین رکعات وترادا فرماتے تھے جن میں فصل نہیں کرتے تھے (یعنی اکٹھے پڑھتے تھے اور دو پر سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) یہ بات بھی غیر معروف نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے تین رکعات کی کیفیتوں میں سے احادیث صحیحہ میں یہ کیفیت بھی وارد ہوئی ہے یعنی تین رکعات ایک سلام سے پڑھنا اور درمیان میں تشہد کےلیے بھی نہ بیٹھنا بلکہ تیسری رکعت میں بیٹھ کر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھرتے تھے۔

(۳):......آپ کا اول اللیل میں عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے متن میں کوئی نکارت نہیں رہی۔

ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے وہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیئے!

((حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا ازہر بن القاسم ثنا ہشام عن قتادہ عن زرارۃ بن اوفی عن سعد بن ہشام عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا وتر صلی رکعتین وہو جالس))(مسند احمد: ج٦ ص٢٥٥)

رجال السند:......امام احمد کا شیخ ازہر بن القاسم ہے اور وہ صدوق ہے (تقریب) وہ ہشام سے لینے والے ہیں اور یہ ابن ابی عبداللہ الدستوائی ہیں جن کے متعلق تقریب میں لکھا ہے کہ ثقہ ثبت وقد رمی بالقدر (وہ ثقہ ہیں ضابطہ ہیں اور ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے اس حدیث میں ان کے اس مذہب کو کوئی تقویت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے روایت میں ضعف آجائے۔ کما لا یخفی

ہشام کے استاد قتادہ ہے یہ ابن دعامہ السدوسی ہے جو ثقہ ثبت ہیں۔ (التقریب) لیکن وہ مدلس ہیں لیکن ان کی تدلیس کے خطرہ سے اس روایت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ اس جیسی اور روایات اور صحابہ سے بغیر اس علت کے موجود ہیں، لہذا متابعات وشواہد میں ایسی چیز معتبر ہوجاتی ہیں۔ (کما تقرر فی مقرہ) قتادہ کے بعد زرارہ آتا ہے اس کے متعلق پہلی حدیث کے رجال کے متعلق گزارش کرتے وقت عرض کیا جاچکا ہے اور وہ سعد بن ہشام سے روایت کرتے ہیں اس راوی کا حال بھی دوسری حدیث کی سند پر کلام کرتے وقت گزر چکا اور سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ ہشام بن عامر ہیں اور صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث کی اسناد بھی صالح ہے گو پہلی حدیث سے کچھ نازل ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں زرارۃ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دو واسطے ہیں اور اس میں کوئی جرح نہیں ہے۔

متن الحدیث:......اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بھی وتر پڑھتے تھے اس کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور آپ سے وترات کے اول، اوسط اور آخر تینوں حصوں میں ثابت ہے لہذا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ وتر کے بعد ہمیشہ آپ کا معمول تھا کہ دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

((وہذا ہوالمرادوالمطلوب))

اوریہ حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی مؤید ہے جوپہلے مضمون میں تحریر کی جاچکی ہے اور جس سے بھی یہ ثابت ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ جب بھی وتر پڑھتے تھے تو دو رکعت وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے اوران دو رکعتوں میں سورۃ اِذَازُلزِلَتِ الاَرْضُ اور قُلْ یَاَیُّہَا الکٰفِرُونَ تلاوت فرماتے تھے ۔

ان احادیث سے بحمداللہ یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ وتر کے بعد (خواہ رات کے اول حصہ میں عشاء کی نماز کے بعد خواہ رات کے آخری حصہ میں تہجد کے بعد ''دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا بدعت نہیں ہے بلکہ مندوب ومسنون ہے کیونکہ سرورکائنات حضرت رسول اللہ ﷺ سے پڑھنا علی الدوام ثابت ہے ۔ مضمون ہذا سے قبل یہ تحریر کرچکا ہوں کہ نووی نے بھی ان احادیث کو دیکھ کر وتر کے بعد دو رکتعیں پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے ۔ اسی طرح حافظ ابن حزم جو بدعتیوں اور مقلدوں کے لیے شہاب ثاقب ہیں اور سنت کے اتباع کا شدید اہتمام کرتے ہیں انہوں نے بھی محلی میں یہ تصریح کی ہے کہ وتر کے بعد نفل جائز ہے اور دلیل حضرت رسول اللہ ﷺ کا وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھنے کا فعل پش کیا ہے ۔ حالانکہ آپ کا یہ امر کہ وتر کورات کی نماز کے آخر میں رکھوانہوں نے بھی نقل کیا ہے ۔ قول اور فعل کے تعارض کے متعلق پہلے مضمون میں کھڑے ہوکر پینے سے منع اور آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہوکر پینے کا فعل پش کرچکا ہوں یہاں پر مزید وضاحت کی جاتی ہے ۔

(١) :...... صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجر عن الشرب قائما)) صحیح مسلم :کتاب الاشربۃ'باب فی الشرب قائما'

اوردوسری روایت میں صحیح مسلم یہ الفاظ ہیں :

((أن یشرب الرجل قائما))

(٢) :......اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے روایت مروی ہے ۔

((لایشربن أحدکم قائما فمن نسی فلیستقئ))

اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم امت کے لیے ہے اوراس پر لفظا حدکم واضح طور پر دلالت کررہے ہیں ۔ لہذا اس امر اور آپ کے فعل کھڑے ہوکر پینا میں تعارض نہ ہوا کیونکہ بظاہر یہ فعل (یعنیالشرب قائما) آپ کی ذات شریف سے مخصوص معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی محققین علماء دونوں میں جمع کی صورت کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے اور آپ کا فعل جواز پر دال ہے اوراسی توجیہ کو حافظ ابن حجر اولی قرار دیتے ہیں جیساکہ علامہ مبارکپوری تحفۃ الاحوذی : ج 1 میں تحریر فرماتے ہیں :

((ومنہم من قال ان احادیث النہی محمولۃ علی کراہۃ التنزیہ قال الحافظ (ای ابن حجر) ہذا احسن المسالک وسلمہا وابعد من الاعتراض))

یعنی حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ زیادہ اچھی ہے اوراعتراض سے بھی یہی زیادہ دور ہے ۔بخلاف اس کے وتر کورات کی نماز کے آخیر میں رکھنے کے متعلق ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی بھی اس میں داخل ہے) اور وہ حدیث یہ ہے ۔

((حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء محمد بن جعفر وحجاج قالا ثنا شعبۃ عن ابی التیاح عن ابی مجلز عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوتر آخر رکعۃ من اللیل)) مسنداحمد : ج ٢'ص ٤٣. رجال السند :......امام احمد کے دو شیخ میں ایک محمد بن جعفر یہ مدنی بصری ہیں جو غندر کے لقب سے معروف ہیں یہ ثقہ ہیں ۔
(تقریب) دوسرا حجاج ہے اوروہ حجاج ابن محمد المصیصی الاعوا ابو محمد الترمزی الاصل ہیں ۔ اس کے متعلق حافظ صاحب تقریب میں فرماتے ہیں کہ ثقہ ثبت لکنہ اختلط فی آخر عمرہ لما قدم بغداد قبل موتہ''

مطلب یہ ہے کہ یہ راوی ثقہ ہیں باقی رہاان کا اختلط تواس سے آخذ حضرت امام احمدہیں جوآپ نے اختلاط سے قبل اخذ کرچکا تھا۔ لہذااس اختلاط سے حدیث کی سند میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوسکتی۔ امام احمد کے دونوں شیخوں کا استاد شعبہ ہے اوروہ ابن الحجاج ابوبسطام الواسطی ثم البصری ہے اوراس کے متعلق تقریب میں مرقوم ہے۔

((ثقہ حافظ متقن کان الثوري یقول ہوامیرالمومنین فی الحدیث وہواول من فتش بالعراق عن الرجال وذب عن السنہ‌وکان عابدا))

اس عبارت پرمزید حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ امام شعبہ ابوالتیاح سے روایت کرتے ہیں (ان کا نام یزیدبن حمید ہے اوریہ ثقہ ہیں) (تقریب) پھرابو مجلزہے (ان کا نام لاحدبن حمیدہے یہ بھی ثقہ ہیں (تقریب) اس حدیث کی سندان شاء اللہ بے غبارہے۔

متن الحدیث:...... اس حدیث میں جناب سیدالمرسلین ﷺ عمومی حکم بیان فرماتے ہیں کہ وترات کی نماز کی آخری رکعت ہے۔ سیاق حدیث کا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حکم عام ہے یعنی آپ کی ذات مقدسہ بھی اس میں داخل ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علماء ''لاصلوۃ بعدالعصر'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس حکم میں آپ کی ذات مبارکہ بھی داخل ہے اس لیے آپ کا فعل (یعنی عصر کے بعد دورکعت پڑھنا) اس سے متعارض ہے اس لیے یا تواس کی نہی یا فعل کو متاخرہونے کی وجہ سے اس نہی سے مخصوص مانا جاتا ہے۔ (''انظر حصول المامول'' پھر نوع جب ایسے قول کہ جس میں آپ کی ذات گرامی داخل نہ ہو (جیسا کہ) نہی عن الشرب قائما) اورفعل متعارض میں بھی محققین جمع کا طریقہ ہی اختیار کرتے ہیں توپھر اس صورت میں کہ قول میں آپ کی ذات والا بھی شامل ہواورفعل اس سے بظاہر متعارض ہوتووہاں بطریق اولی جمع ہی مناسب ہے باقی رہا جمع تو ایک صورت اس کی وہ ہے جوامام نووی وغیرہ نے اختیار کی ہے اورایک وہ ہے جو یہ بندہ ناچیز راقم الحروف پہلے مضمون میں عرض کرچکا ہے ان میں سے کوئی صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے باقی اس قول کے بدعت قرار دینا یا جوان کو مسنون سمجھ کر پڑھتا ہے اس کو بدعتیوں کے زمرہ میں شامل کرنا قطعا ساقط عن الاعتبار ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 335

محدث فتویٰ